ہفت روزہ

خدام الدین
لاہور

بیاد
شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی
شیرانوالہ دروازہ لاہور

۱۲؍ اگست ۱۹۸۳ء

یکے از مطبوعات انجمن خدام الدین ◎ لاہور

ہدیہ -/۲ روپے

احادیث الرسول صلی اللہ علیہ وسلم

ترجمہ — حضرت لاہوری قدس سرہٗ

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنَا سَیِّدُ وُلْدِ اٰدَمَ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَاَنَا اَوَّلُ مَنْ یَّنْشَقُّ عَنْهُ الْقَبْرُ وَاَوَّلُ شَافِعٍ وَّاَوَّلُ مُشَفَّعٍ رواہ مسلم۔

ترجمہ: ابی ہریرہؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں آدم کی اولاد کا قیامت کے دن سردار ہوں گا اور میں سب سے پہلا ہوں گا جس کی قبر کھلے گی اور میں پہلے شفاعت کرنے والا ہوں گا۔ اور پہلا شفاعت کیا گیا ہوں گا۔

عَنْ اَنَسٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنَا اَکْثَرُ الْاَنْبِیَاءِ تَبَعًا یَّوْمَ الْقِیٰمَةِ وَاَنَا اَوَّلُ مَنْ یَّقْرَعُ بَابَ الْجَنَّةِ رواہ مسلم۔

ترجمہ، انسؓ سے روایت ہے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن تمام انبیاء سے بڑھ کر میرے تابعدار زیادہ ہوں گے اور میں سب سے پہلے بہشت کا دروازہ کھٹکھٹاؤں گا۔

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اٰتِیْ بَابَ الْجَنَّةِ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ فَاَسْتَفْتِحُ فَیَقُوْلُ الْخَازِنُ مَنْ اَنْتَ فَاَقُوْلُ مُحَمَّدٌ فَیَقُوْلُ بِكَ اُمِرْتُ اَنْ لَّا اَفْتَحَ لِاَحَدٍ قَبْلَكَ ۔ رواہ مسلم

انسؓ سے روایت ہے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں بہشت کے دروازہ پر آؤں گا پھر کھلواؤں گا پھر بہشت کا نگہبان کہے گا تو کون ہے میں کہوں گا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پھر وہ کہے گا تیرے متعلق ہی مجھے حکم دیا گیا تھا کہ تجھ سے پہلے کسی کے لئے نہ کھولوں۔

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنَا اَوَّلُ شَفِیْعٍ فِی الْجَنَّةِ لَمْ یُصَدَّقْ نَبِیٌّ مِّنَ الْاَنْبِیَاءِ مَا صُدِّقْتُ وَاِنَّ مِنَ الْاَنْبِیَاءِ نَبِیًّا مَّا صَدَّقَهٗ مِنْ اُمَّتِهٖ اِلَّا رَجُلٌ وَّاحِدٌ (رواہ مسلم)

ترجمہ: انسؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں پہلا شفیع ہوں گا۔ اپنی امت کو جنت میں پہنچانے کے لئے کسی نبی کی اتنی تصدیق نہیں کی گئی جتنی میری کی گئی ہے اور بعض نبی انبیاء میں ایسے بھی ہیں جن کی تصدیق ان کی امت میں سے سوائے ایک شخص کے کسی نے نہیں کی۔

سویرے اٹھنا

حدیث، اَصْبِحُوْا بِالصُّبْحِ فَاِنَّهٗ اَعْظَمُ لِلْاَجْرِ۔

ترجمہ: سویرے اٹھا کرو۔ کیونکہ اس کا بڑا ثواب ہے۔

مرسلہ: عثمان

باتیں اُن کی یاد رہیں گی | حضرۃ لاہوریؒ کے ارشاداتِ عالیہ کا مسلسل انتخاب

دراصل دولت بُری چیز نہیں ہے

اس کا جائز طریقہ سے کمانا اور صحیح مصرف میں صرف کرنا محمود ہے
ناجائز طریقہ سے کمانا اور بے جا خرچ کرنا بُری چیز ہے

چونکہ میرا مقصد بحمد اللہ تعالےٰ کتاب وسنت کی اشاعت ہے۔ اس لئے بدستور سابق آج بھی مذکورۃ الصدر عنوانات کو کتاب وسنت کی روشنی میں پیش کرنا چاہتا ہوں تاکہ مسلمان دنیا کی زندگی کو صحیح اصول پر بسر کر سکیں۔ اور دنیا کی چند روزہ زندگی میں آخرت کی زندگی کو برباد کر کے نہ جائیں۔

جائز طریقہ سے مال حاصل کرنے کی اجازت

(ترجمہ) اور (اے سود خوارو!) اگر توبہ کر لو تو اصل مال تمہارے واسطے ہے، نہ تم کسی پر ظلم کرو اور نہ تم پر ظلم کیا جائے گا۔

آیت کا حاصل

یہ ہے کہ جو سود تم پہلے لے چکے ہو۔ اس کو اگر تمہارے اصلی مال میں محسوب کریں۔ اور اس میں سے کاٹ لیں تو یہ تم پر ظلم ہوگا اور اگر ممانعت کے بعد کا باقی ماندہ سود تم مانگو تو یہ تمہارا ظلم ہے۔ لہٰذا تم اصلی قرض جتنی رقم لے سکتے ہو۔ تو معلوم ہوا کہ اگر صحیح طریقہ سے مال حاصل کیا جائے تو شرعاً کوئی جرم نہیں ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ایک سود خوار ساہوکار کا دس لاکھ روپیہ مقروضوں کے ذمہ ہو تو شریعت اسے دس لاکھ روپیہ وصول کرنے کی اجازت دے دے گی۔

وَابْتَلُوا الْیَتٰمٰی حَتّٰۤی اِذَا بَلَغُوا النِّکَاحَ ۚ فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْۤا اِلَیْهِمْ اَمْوَالَهُمْ ۚ الآیہ (سورہ النساء۔ ع ۱ پ ۴)

ترجمہ: اور یتیموں کی آزمائش کرتے رہو۔ یہاں تک کہ وہ نکاح کی عمر کو پہنچ جائیں۔ پھر اگر ان میں ہوشیاری دیکھو تو ان کے مال ان کے حوالے کر دو۔

حاصل

یہ نکلا کہ یتیم بچے کا مال اگر کسی مسلمان کی تحویل میں تھا تو جب وہ بچہ جوان ہو جاتے تو اس کے باپ کا مال اس کے حوالے کر دو۔ وہ مال خواہ لاکھوں یا کروڑوں روپیہ ہو تو بھی شریعت یتیم کی حمایت کر کے خود اسے دلا رہی ہے۔ لہٰذا یہ چیز واضح ہو گئی کہ شریعت کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ سچا مومن یا اصلی مسلمان فقط وہی ہو سکتا ہے جو مفلس اور قلاش ہو اور جو کمائے اور خرچ کر دے اپنے پاس ایک کوڑی بھی نہ رکھے۔

وَالَّذِیْنَ یَبْتَغُوْنَ الْکِتٰبَ مِمَّا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ فَکَاتِبُوْهُمْ اِنْ عَلِمْتُمْ فِیْهِمْ

خَيْرًا ۖ وَّاٰتُوْهُمْ مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِیْٓ اٰتٰىكُمْ ؕ الآیہ (سورۃ النور: ع ۴ پ ۱۸)

ترجمہ: اور تمہارے غلاموں میں سے جو لوگ مال دے کر آزادی کی تحریر چاہیں تو انہیں لکھ دو بشرطیکہ ان میں بہتری کے آثار پاؤ اور انہیں اللہ کے مال میں سے دو جو اس نے تمہیں دیا ہے۔

حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ آقا سے دلالت علی الخیر کر کے غلام کو مال دلوا رہا ہے۔ اگر مال واقع میں کوئی معیوب چیز ہوتی تو اللہ تعالےٰ اس کی سفارش کیوں فرماتے۔ اس سے ثابت ہوا کہ مال ذاتی طور پر کوئی بری چیز نہیں ہے۔

مال کے صحیح طور پر خرچ کرنے کی اجازت

لَیْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓىٕكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِیّٖنَ ۚ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِی الْقُرْبٰى وَالْیَتٰمٰى وَالْمَسٰكِیْنَ وَابْنَ السَّبِیْلِ وَالسَّآىٕلِیْنَ وَفِی الرِّقَابِ ۚ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ ۚ الآیہ - (سورہ بقر - ع ۲۱ - پ ۲)

ترجمہ: یہی نیکی نہیں کہ تم اپنے منہ مشرق اور مغرب کی طرف پھیرو بلکہ نیکی تو یہ ہے جو اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان لائے اور فرشتوں اور کتابوں اور نبیوں اور اس کی محبت میں رشتہ داروں، یتیموں، اور مسکینوں اور مسافروں اور سوال کرنے والوں کو اور گردنوں کے چھڑانے میں مال دے اور نماز پڑھے اور زکوٰۃ دے۔

حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے اس آیت میں عقائد صحیحہ کے ذکر کرنے کے بعد اللہ تعالےٰ کی محبت میں چھ مدوں میں خرچ کرنے کی ترغیب دی ہے۔ اس لئے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی اجازت سے صحیح مدات میں مال خرچ کرنا محمود ہے۔

وَسَیُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى ۝ الَّذِیْ یُؤْتِیْ مَالَهٗ یَتَزَكّٰى ۝ وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰٓى ۝ سورۃ اللیل - پ ۳۰)

ترجمہ: اور اس آگ سے وہ بڑا پرہیزگار دور رہے گا جو اپنا مال دیتا ہے تاکہ وہ پاک ہو جائے اور اس پر کسی کا کوئی احسان نہیں کہ جس کا بدلہ دیا جائے۔

حاصل یہ نکلا کہ پرہیزگاروں کو بہشت میں داخل کرنے کا سبب ایک یہ بھی ہے کہ وہ محض اللہ تعالےٰ کو راضی کرنے کے لئے مال خرچ کرتے ہیں لہٰذا ثابت ہوا کہ محض مالدار ہونا کوئی برائی نہیں ہے۔

وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا الآیہ (سورہ المزمل ع ۲)

ترجمہ: اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو اور اللہ کو اچھی طرح (یعنی اخلاص سے) قرض دو۔

حاصل مالداروں کو زکوٰۃ دینے اور اللہ تعالےٰ کی راہ میں قرض حسن دینے کی ترغیب دی جا رہی ہے۔ اگر اللہ تعالےٰ کے مخلص اور سچے بندوں کو مال رکھنا جائز ہی نہ ہوتا تو زکوٰۃ اور قرض حسن کا کیسے حکم ملتا۔

(جاری ہے)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم



جلد ۲۹ • شمارہ ۶
۲ ذیقعدہ ۱۴۰۳ھ • ۱۲ اگست ۱۹۸۳ء

رئیس الادارہ
شیخ التفسیر حضرۃ مولانا عبیداللہ انور

مجلس ادارت
مولانا محمد اجمل قادری
سعید الرحمٰن علوی
ظہیر میر ایم اے ایل ایل بی

اس شمارے میں

حضرت لاہوری کی باتیں
دینی مدارس کے فضلاء (اداریہ)
قاری صاحب کا سانحہ ارتحال (مجلس ذکر)
ادب واحترام (خطبہ جمعہ)
الہلال کی دعوت قرآنی
قاری محمد طیب صاحب
وغیرہ

بدل اشتراک

سالانہ	ششماہی	سہ ماہی
۸۰/-	۴۵/-	۲۵/-

فی پرچہ ۲ روپے

مولانا عبیداللہ انور نے کاموپرنٹنگ پریس سے چھپوا کر شیرانوالہ گیٹ لاہور سے شائع کیا

دینی مدارس کے فضلاء

ملکی یونیورسٹیوں کا ناروا رویہ

موجودہ حکومت بڑے وعدوں کے ساتھ میدان میں آئی۔ اور بڑے بڑے جغادری سیاست دان اور اہل دین و تقویٰ اس کے دام ہمرنگ کا شکار ہو کر رہ گئے ——— لیکن چھ سال کا عرصہ مسلسل محرومیوں کا عرصہ ہے۔ تعمیری کام کیا ہو جبکہ منافقت ہمارے رگ و ریشہ میں سرایت کر چکی ہو ——— ہمارے ملک میں اصل حکمرانی شروع دن سے بیوروکریٹس کی رہی ہے۔ اور یہ طبقہ اب اتنا آگے جا چکا ہے کہ کسی زبردست ہاتھ کے بغیر اس کی اصلاح ناممکن ہے۔

اول تو حکومت خود ہی گومگو کا شکار ہے اور وہ ہر معاملہ میں تذبذب سے کام لے رہی ہے لیکن اگر کسی وجہ سے وہ کوئی فیصلہ کرتی بھی ہے تو اس کے ثمرات و نتائج سامنے نہیں آتے۔

حکومت نے مختلف مکاتب فکر کے مدارس کی تنظیموں وفاق المدارس العربیہ، تنظیم المدارس العربیہ اور مدارس اہل حدیث کی سندات کو بعد از خرابیٔ بسیار منظور کیا اور اعلان کیا کہ ان فضلاء کی سندات کو ایم اے عربی و اسلامیات کے برابر تسلیم کر کے تدریسی شعبوں میں انہیں موقعہ دیا جائے گا ——— لیکن اس گھڑی تک کسی ایک بھی فاضل درس نظامی کو اپنی تمامتر ذہانت و فطانت کے باوجود اس کا موقعہ نہیں مل سکا۔

وجہ ——— وہ تو ظاہر ہے

یونیورسٹیز کے بیوروکریٹس ——— جو نہیں چاہتے کہ فضلاء

مدارس عربیہ ادھر کا رُخ کریں۔

ہمیں خوب معلوم ہے کہ جامعہ پنجاب میں کس صدر شعبہ نے اس فیصلہ کی شدید مخالفت کی ——— ایسے لوگ جن کا اسلامیات سے دور کا واسطہ نہیں وہ یہاں اسلامیات کے کرتا دھرتا ہیں۔ انہیں ریڈیو پر سیرت پر تقریر کرنا ہوتی ہے تو شبلی کی سیرت النبی لے کر وہاں چلے جاتے ہیں اور الفاظ کے ہیر پھیر سے بات پوری کرکے آجاتے ہیں۔ لیکن یونیورسٹی میں ان کا بڑا نام ہے اور اب کراچی کی خبر ہے کہ وہاں کی یونیورسٹی نے بھی اپنی حکومت کا یہ فیصلہ ماننے سے انکار کر دیا ہے، انہیں بھی یہ تسلیم نہیں، کہ ایک غریب مولوی عربی یا اسلامیات کا درس دے سکتا ہے ——— حکومت پاکستان کی وزارت تعلیم اور دوسرے متعلقہ ادارے جنہوں نے یہ فیصلہ کیا، ان کے لئے یہ چیلنج ہے اگر وہ اپنا فیصلہ اپنی یونیورسٹیوں سے نہیں منوا سکتے تو انہیں ان مسندوں پر بیٹھنے کا کیا حق ہے؟ استعفیٰ دیں گھر جائیں ——— اور اگر ان کرسیوں پر رہنا ہے تو اپنے فیصلے کو نافذ کرائیں ——— نافذ کرانے کا یہ طریق نہیں۔ کہ فیصلہ کرکے فائیل میں چھٹی ارسال کر دی جائے۔ ایک فوری مدت مقرر کی جائے ——— پبلک سروس کمیشن میں علماء کے نمائندے ہوں، ان کا کوٹہ ہو اور پھر ہر کالج و یونیورسٹی میں فاضل درس نظامی اور ایم۔ اے عربی و اسلامیات کی کارکردگی کا تقابل کیا جائے تاکہ معلوم ہو سکے کہ یونیورسٹیاں کیا کر رہی ہیں اور مدارس اسلامیہ کیا کر رہے ہیں؟ اگر حکومت ایسا نہیں کر سکتی تو اسے اس فیصلہ کو واپس لے لینا چاہئے زیادہ سے زیادہ تقے کرکے چاٹنے والی بات ہوگی۔ لیکن وہ آسان مرحلہ ہوگا اس جگ ہنسائی کے مقابلہ میں کہ حکومت کا فیصلہ یونیورسٹی نہیں مانتی۔

———•●•———

آج کل عربی کا بڑا ہنگامہ ہے۔ چھٹی کلاس سے عربی لازمی ہو چکی ہے اساتذہ کی تربیت کا زور شور ہے اور مستقبل قریب میں حکومت کو اس شعبہ کو کامیابی سے چلانے کے لئے ہزاروں اساتذہ کی ضرورت ہے۔ جس کے لئے مختلف معیار مقرر کئے جا رہے ہیں۔

ہم یہ کہنے کا حق رکھتے ہیں کہ اس شعبہ کے جملہ اساتذہ فضلاء، مدارس عربیہ سے لئے جائیں اور ہائی کلاسز کی عربی، اسلامیات کی تعلیم کا سارا انحصار ان فضلاء پر کیا جائے ——— اور پھر یہ دیکھا جائے کہ چند سو روپے ماہانہ کا خرچ برداشت کرکے چٹائیوں پر بیٹھ کر علم حاصل کرنے والوں کا رول کیا ہے اور کالج و یونیورسٹی کے ہاسٹل میں رہ کر اسلحہ چلانے اور فحاشی و عیاشی کا کاروبار کرنے والے ایم، ایز کے مقابلہ میں وہ کتنے بلاصلاحیت ہیں ——— حکومت کو آنے والے دَور کی سنگینی کا احساس کرنا چاہئے اور تعلیم سمیت زندگی کے مختلف شعبوں میں دوئی کے تصوّرات مٹا کر وحدت و یکجہتی کا نظم اپنانا چاہئے ورنہ آنے والے انقلاب کی تصویر اتنی خوفناک ہے کہ الامان ——— ع

"شاید کہ اتر جائے ترے دل میں مری بات"

علی ۱۲/۸/۱۹۸۳

جامع مسجد شیرانوالہ میں

آیت کریمہ

۱۱ر اگست بروز جمعرات

بعد نماز مغرب پڑھی جائیگی

(انشاء اللہ تعالیٰ)

مجلس ذکر

ضبط و ترتیب : ادارہ

حضرت قاری محمدؐ طیب صاحبؒ کا سانحۂ ارتحال

پیر طریقت حضرت مولانا عبید اللہ انور دامت برکاتہم العالی

بعد از خطبہ مسنونہ :۔

کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ ۔

یہ آیت کریمہ قرآن عزیز میں سورۂ آل عمران، سورۂ انبیاء اور سورۂ عنکبوت میں انہی الفاظ کے ساتھ موجود ہے۔ آل عمران میں اس کے متصل ارشاد ہے کہ "تمہیں تمہارے اعمال کے پورے پورے اجر قیامت کو ملیں گے۔ پس جو شخص جہنم سے بچا لیا گیا اور جنت میں داخل کر دیا گیا وہ کامیاب ہو گیا۔ سورۂ انبیاء میں اس کے بعد ہے کہ "ہم تم لوگوں کو سختی اور آسودگی میں آزمائش کے طور پر مبتلا کرتے ہیں اور تم ہماری طرف ہی لوٹ کر آؤ گے۔" اسی طرح کا مضمون سورۂ عنکبوت میں ہے اور خود اس ٹکڑے کا ترجمہ ہے :۔

"ہر نفس کو موت کا مزہ چکھنا ہے۔"

قرآن عزیز نے جن بنیادی عقائد کا بار بار ذکر کیا ان میں موت اور ما بعد الموت کی زندگی جگہ جگہ ذکر کی گئی ہے جس طرح توحید و رسالت اور ختم نبوت پر ایمان و ایقان ضروری ہے کہ اس کے بغیر کوئی شخص مسلمان نہیں ہوتا۔ اسی طرح موت اور اس کے بعد والی زندگی کا معاملہ ہے کہ اس پر بھی ایمان از بس ضروری ہے۔ موت کا تو شاید دنیا میں کسی نے انکار نہیں کیا البتہ بعد کی زندگی کا بہتوں نے انکار کیا اور اس لئے کہ بعد کا سب قصہ ہنوز ہماری آنکھوں سے اوجھل ہے لیکن جو چیز آنکھوں سے اوجھل ہو اس کے وجود کا انکار عقلمندی نہیں۔ اسلام نے ایمانیات کے ضمن میں ایمان بالغیب کا اہتمام سے ذکر کیا ہے۔ حیات ما بعد الموت بھی اسی ضمن میں آتی ہے ——— لیکن کفّار و مشرکین اس سے انکار کرتے اور کہتے "یہ جسم مٹی میں مل کر مٹی ہو جائے گا تو دوبارہ کیسے زندہ ہوگا ——— اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی علیہ السلام کو فرمایا کہ انہیں کہہ دیں :

"جو خالق کل اور قادر مطلق ابتداء میں قطرہ ناچیز سے انسان کو پیدا کرتے اور بناتے ہیں دوبارہ کی زندگی بھی انہی کے قبضہ میں ہے۔" (یٰس۔ مفہوم)

بہرطور اس وقت ان مسائل پر تو عرض نہیں کرنا۔ اصل میں دارالعلوم دیوبند جیسی عظیم درسگاہ کے سابقہ مہتمم، استاذی حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ سے متعلق چند تعزیتی الفاظ عرض کرنے ہیں۔

آپ پڑھ اور سن چکے ہیں کہ وہ اللہ کو پیارے ہو گئے۔ اس میں نئی بات تو کوئی نہیں۔ کہ اس راہ سے سب کو گذرنا ہے کل نفسٍ ذائقة الموت۔ لیکن موت العالِم موت العالَم بھی

مشہور بات ہے۔ نوے سال کی قریب کی زندگی میں سے ۲ تہائی زندگی خدمت علم و دین میں انہوں نے جس طرح گذاری اسے دیکھ کر افسوس بھی ہوتا ہے اور رشک بھی آتا ہے۔ افسوس اس لئے کہ اب ان جیسا کوئی نہ ہوگا۔ رشک اس لئے کہ کتنی مبارک زندگی تھی کہ طاب حیًا کا مصداق تھی۔ گذری اور خوب! انہوں نے زندگی کا مقصد سمجھا اور پھر زندگی اس راہ میں کھپا دی اور کامیابی کے ساتھ گذاری ــــ رحمہ اللہ تعالےٰ۔

بانی دارالعلوم کے پوتے ہونے کے ناطے ان کا بیحد احترام تھا اور پھر وہ خود علم و عمل، شرافت و تقویٰ اور تقریر و تحریر کے بادشاہ تھے انسانی کمزوریوں سے کوئی مبرّا نہیں سوائے انبیاء و صحابہ (اس طرح کہ انبیاء معصوم اور صحابہ محفوظ ہیں)، لیکن اس دھرتی کے کروڑوں لوگ گواہی دیں گے کہ قاری صاحب کی خوبیاں بے حد تھیں۔ مکارم اخلاق ان میں بطریق اتم تھے۔ اپنے اکابر و اسلاف کی امانت کی انہوں نے بڑی سختی سے حفاظت کی۔ اپنے میں کمزوری محسوس کی تو استعفےٰ دے دیا۔ حضرت شیخ الہند، حضرت تھانوی، حضرت مدنی، حضرت سندھی اور خود اپنے حضرت رحمہم اللہ تعالےٰ سے انہیں بے حد تعلق تھا سب بزرگ انہیں قدر کی نظروں سے دیکھتے۔ ایسے ہی لوگ کامیاب و بامراد ہوتے ہیں اور قرآن عزیز کے اشارہ کے مطابق ایسے ہی لوگوں کی موت پہ آسمان و زمین روتے اور آنسو بہاتے ہیں۔

آئیں! دل کی گہرائیوں سے اس عظیم انسان کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ رب العزت اس مرد دانا و قلندر کی خوبیوں اور نیکیوں کو قبول فرما کر بلندیٔ درجات سے سرفراز فرمائے، بشری خطاؤں سے درگزر فرمائے اور ان کے پسماندگان و متعلقین کو صبرِ اجر جزیل سے نوازے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

بقیہ: تبصرہ

کتاب کا ترجمہ ہے مترجم مولوی سید سلمان حسینی ندوی ہیں اور مقدمہ مصنف نے خود لکھا ہے۔ ایک مسلمان کو زندگی کیسے گذارنی چاہیئے، سوال مختصر ہے جواب بھی مختصر کہ قرآن وسنت کی روشنی میں، لیکن مسئلہ بہرحال تفصیلات کا سامنے آتاہے اور اسی کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ ماضی میں اللہ کے بے شمار بندوں نے اسس سوال کا جواب لکھا اور بڑی تفصیل سے، اب جبکہ وقت کی رفتار تیز سے تیز تر ہے ہمنیں جواب دے چکی ہیں تو قدیم طویل ذخیروں سے رجوع ہر کسی کا کام نہیں۔ اسی بات کو سامنے رکھ کر مولانا نے یہ کتاب لکھی۔ ۲۸۴ صفحات ہیں۔ عقائد، عبادات، اخلاق اور عادات و شمائل غرضیکہ زندگی کے ہر شعبہ میں بنیادی تعلیمات کو اس باغ و بہار قلم کے مالک نے شستگی و روانی سے لکھ کر اللہ کے بندوں پر اتمام حجت کردی۔ ہر مرد، عورت، بڑا، چھوٹا اسس کتاب کو حاصل کرے۔ گھروں میں، مساجد میں، اجتماعات میں اسس کے اجتماعی مطالعہ کا اہتمام ہو، تاکہ بے ثبات زندگی کسی ڈھنگ سے گذر جائے اور قیامت کی رسوائی سے انسان بچ جائے۔ مولانا فضل ربی ندوی مولانا کے بہت ہی عزیز شاگرد اور یہاں ان کی کتابوں کے ناشر ہیں ان کا بطورِ خاص شکریہ کہ انہوں نے یہ بنفاست کم قیمت بہتر کتاب چھاپ کر ایک زبردست ضرورت کو پورا کیا ــــ جزاہم اللہ تعالیٰ

جنّت کہاں ہے؟

حدیث: اِنَّ الْجَنَّةَ تَحْتَ اَقْدَامِ الْاُمَّهَاتِ

ترجمہ: جنّت ماؤں کے قدموں کے نیچے ہے۔

مرسلہ:۔
محمد انیس، سیالکوٹ

خطبہ جمعہ

ضبط و ترتیب : علوی

جسمانی اور روحانی محسنوں کا ادب و احترام

جانشینِ شیخ التفسیر حضرت مولانا عبیداللہ انور مدظلہ العالی

بعد از خطبہ مسنونہ :۔

اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم : بسم اللہ الرحمٰن الرحیم :ــــ

اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ وَاَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِیْنًا ۝

صدق اللہ العلی العظیم (الاحزاب ۵۷)

بزرگان محترم، برادران عزیز!

سورۃ الاحزاب مدنی سورۃ ہے اس میں بڑے اہم مضامین ذکر کئے گئے ہیں۔ یہ آیت اسی سورۃ سے متعلق ہے۔ اس سے متصل آیت میں اللہ تعالےٰ کا فرمان ہے کہ ہم خود (اللہ رب العزت) اور فرشتے رسول امیؐ علیہ السلام پر رحمتیں بھیجتے ہیں۔ اے مسلمانو! تم بھی اس امام انسانیت رسول پر درود و سلام بھیجا کرو۔

حدیث میں ہے کہ صحابہ کرام نے آپؐ سے پوچھا کہ آپؐ پر سلام کا طریق تو ہمیں معلوم ہے یعنی التحیات میں "السلام علیک ایہا النبی" جو پڑھا جاتا ہے وہ اسی حکم ربی کی تعمیل ہے۔ گویا واضح کر دیا کہ نبی پر سلام یہی ہے۔ باقی جو مصنوعی اور خود ساختہ سلام آج ہمارے معاشرہ میں رواج پذیر ہیں ان کی کوئی حقیقت نہیں ــــ بہرحال صحابہؓ نے سلام کا مفہوم سمجھ کر درود کا پوچھا تو آپ نے فرمایا قولوا اللّٰھم صلی علیٰ محمّدٍ و علیٰ اٰل محمّدٍ۔ نماز میں جو درود پڑھا جاتا ہے اس کی آپؐ نے تلقین و تعلیم دی

اس سے اگلی آیت ابتدا میں نازل ہوئی اس کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں :۔

"جو لوگ اللہ رب العزت اور اس کے فرستادہ رسول کو رنج پہنچاتے ہیں ان پر اللہ تعالےٰ دنیا اور آخرت میں لعنت کرتا ہے اور ان کے لئے اس نے ذلیل کرنے والا عذاب تیار کر رکھا ہے۔"

رسولؐ کا ادب واحترام

یہ تو آپ جانتے ہیں کہ رسول وہ ذاتِ اقدس کہلاتی ہے جسے جنس بشر میں سے اللہ تعالیٰ اپنی خصوصی رحمت سے منتخب فرماتے ہیں اور اس انتخاب کا مقصد ہوتا ہے کہ وہ ما بقی ابناءِ جنس کی اصلاح کرے اور انہیں حقیقی اللہ تعالےٰ کا بندہ بننے کا راستہ دکھلائے۔ قرآن نے بار بار بڑی صراحت سے فرمایا ہے کہ نبی و رسول ہمارا منتخب کردہ ہوتا ہے۔ اس میں کسی دوسرے کی مرضی کا قطعاً دخل نہیں ہوتا۔ ایسے حضرات دنیا میں تعلیم و تربیت کے لئے کسی کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ نہیں کرتے ان کی تعلیم و تربیت بھی اللہ تعالےٰ کے کرم کی رہین منت ہوتی ہے۔ اور وہ اپنی زندگی میں اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف کچھ کہتے ہیں

نہ کرتے ہیں۔ بس ان کا اوڑھنا بچھونا ذات اقدس جل وعلی مجدہ کی مرضی کے تابع ہوتا ہے۔ جب وہ منتخب بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتے ہیں۔ تعلیم و تربیت بھی ان کی اللہ تعالےٰ کے فضل کی رہین ہے اور اللہ تعالیٰ کی مرضی کے بغیر کچھ کرتے بھی نہیں تو اللہ تعالےٰ کے یہاں ان٠ کا مقام بھی پھر بہت بلند ہوگا۔ چنانچہ قرآن عزیز سے معلوم ہوتا ہے کہ اس جماعت کا اللہ رب العزت کے یہاں بڑا ہی اونچا مقام مقام ہے اور اللہ رب العزت ان کی توہین قطعاً برداشت نہیں کرتا۔ انبیار تو انبیاء ہیں وہ تو کسی بھی اپنے صالح بندے کی اہانت برداشت نہیں کرتا۔ اور ایسی حرکت کرنے والوں کو اپنی طرف سے جنگ کا الٹی میٹم دے دیتا ہے ــــــ اور سچ پوچھیں تو یہ غیرت کا تقاضا ہے کوئی بادشاہ اپنے کسی نمائندے کی اہانت برداشت نہیں کرتا۔ اور یہاں تو بادشاہوں کے بادشاہ کا معاملہ ہے۔ اس لئے علماء نے قرآن عزیز میں متعدد آیات کی نشاندہی کی ہے جو نبی کے ادب و احترام کے حکم و تقاضہ پر مشتمل ہیں مثلاً سورۂ نور میں آیت ۶۲-۶۳ میں ہے اس میں ایمان والوں کی تشریح یوں کی گئی ہے کہ وہ نبی کے پاس سے بغیر اذن و اجازت چلے نہیں جاتے اور پھر انہیں نصیحت کی گئی کہ جس طرح آپس میں ایک دوسرے کو بلاتے ہو، وہ رویہ نبی کے ساتھ مت اختیار کرو" ــــــ آگے چل کر ہے کہ نبی کی مخالفت کرنے والوں کو ڈرنا چاہیئے کہ وہ کہیں کسی آفت کا شکار نہ ہو جائیں۔

اسی طرح سورۃ حجرات کی ابتدائی آیات میں مختلف انواع سے نبی کے احترام کا ہی ذکر ہے۔ اس میں کسی بھی اعتبار سے نبی سے مقدم ہونے سے روکا گیا۔ اپنی آواز نبی کی آواز کے مقابل بلند کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ اور اس پر اعمال کی بربادی کی وعید سنائی۔ نبی کی آواز کے مقابل پست آواز سے بولنے والوں کے متعلق فرمایا کہ ان کے دل تقویٰ کے لئے آزمائے گئے ہیں اس کے بالمقابل حجروں کے باہر سے (اور دُور سے) نبی علیہ السلام کو آوازیں لگانے والوں کو کم عقل بتایا گیا ہے۔

اسی طرح اور متعدد مقامات ہیں جہاں نبی علیہ السلام کے ادب و احترام کا ذکر ہے اور سچ پوچھیں تو الدین کلہٗ ادب والی بات بالکل صحیح ہے کہ دین نام ہی ادب کا ہے اور بے ادب ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے محروم رہتا ہے۔ کسی عارف نے کہا ہے ؎

از خدا خواہیم توفیق ادب
بے ادب محروم گشت از فضلِ رب

ادب کی برکات

ادب و احترام ایسی چیز ہے جس کے نتیجہ میں انسان بلندی مراتب حاصل کرتا ہے اور اس کے مقابل بے ادبی و گستاخی زوالِ نعمت کا ذریعہ بنتی ہے اللہ تعالےٰ کا ادب اور اس کے رسول برحق کا ادب تو بڑی بات ہے کہ اللہ رب العزت ہمارے خالق و مالک، رازق اور سب کچھ ہیں ہمیں ہر نعمت سے نوازتے ہیں اور رسول سب سے بڑی نعمت دین اسلام کا اللہ تعالےٰ کی طرف سے ذریعہ بنتا ہے۔ اس لئے ان کا احترام تو بے حد ضروری ہے۔ ان کے علاوہ بھی ہر بڑے کا احترام ضروری اور لابدی ہے اس میں اساتذہ آتے ہیں والدین آتے ہیں برادری کنبہ کے بزرگ آتے ہیں، دینی اعتبار سے بڑی شخصیات آتی ہیں حتیٰ کہ انسانی ناطہ سے معمر لوگ ادب کے مستحق ہیں۔ ہمارے اکابر و اسلاف کی زندگیاں اس معاملہ میں ایک

روشن چراغ ہیں اور ان کے یہاں ادب و احترام کے عجیب عجیب نمونے ملتے ہیں۔ ہم نے اپنے حضرت اقدس لاہوری قدس اللہ سرہ العزیز کو دیکھا کہ وہ سراپا ادب و احترام تھے۔ حضرت شیخ الہند، حضرت دینپوری، حضرت امروٹی اور حضرت سندھی قدس اللہ سرہم العزیز تو خیر ان کے استاذ، مربی اور بزرگ تھے اپنے معاصرین کے ساتھ ان کا معاملہ اس قسم کا تھا۔ حضرت الشیخ استاذی مولانا مدنی قدس اللہ سرہ العزیز کی مجلس ہو یا حضرت قطب الاقطاب مولانا رائے پوری رحمہ اللہ تعالیٰ کی۔ گھنٹہ دو گھنٹہ یا کم و بیش جتنی دیر آپ بیٹھے بس دو زانو اور نہایت خاموشی اور عقیدت سے۔ سوچیں جو شخص خود اتنا بڑا مفسر قرآن اور امام رشد و ہدایت ہے اس کے جذبہ احترام کا یہ عالم ہے تو ہمیں کیا کرنا چاہیئے؟

آج بدقسمتی سے ہمارے اندر نہ تو رب العزت کا احترام ہے نہ رسول کریم علیہ السلام، نہ کسی اور چھوٹے بڑے کا۔ اللہ تعالےٰ کا احترام ہوتا تو ہم معاشرہ میں اللہ رب العزت کے احکامات اور قوانین سے اس طرح بے اعتنائی نہ برتتے جس طرح اب برتی جا رہی ہے۔ اللہ تعالےٰ کے مقدس گھر بیت اللہ کے ساتھ ساتھ ہم خدا معلوم کتنے اور مقامات ہیں جن کا طواف کرتے ہیں اور کتنے اور آستانے ہیں جن سے مرادیں مانگتے ہیں، رب کی نماز غائب، دوسرے اعمالِ خیر کی چھٹی، سوچیں کیا یہی اللہ رب العزت کا احترام ہے؟ رسول کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمارے اتنے بڑے محسن تھے کہ دنیا کی ہر تکلیف برداشت کرکے بھی ہماری خیر و فلاح کی فکر میں رہے لیکن آج ہم نے آپؐ کی ہر سنت کو چھوڑ دیا ــــــ سوچیں اس سے بڑھ کر بے ادبی کیا ہوگی؟ بے ادبی محض گالی دینے، کسی کے سامنے اکڑنے کا ہی نام نہیں، بے ادبی کے اور بھی مظاہر ہیں ایک شخص کو آپ کہتے ہیں کہ مجھے آپ سے بے حد محبت ہے لیکن اس کی ایک بھی بات نہیں مانتے یہ کیسا ادب اور کیسی محبت ہے؟ اور نبی کا معاملہ تو یہ ہے کہ ان کی محبت شرعاً مطلوب اور ان کے ارشادات پر عمل کرنا ایمان کا تقاضا ہے لیکن ہر سنت سے بیزاری اور ہر بدعت سے پیار ہمارا وطیرہ ہے۔ جب بنیاد ہی غلط ہوگی تو پھر آگے جو ہوگا اس کا اندازہ کرنا مشکل نہیں۔

حضرت الشیخ مولانا محمد زکریا صاحب قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ آج ہر شخص تنگی معاش اور دوسری محرومیوں کا ذکر کرتا ہے لیکن حال یہ ہے کہ اسے نہ اپنے جسمانی محسنوں کے حقوق کا خیال ہے نہ روحانی آقاؤں کے ادب و احترام کا، اور پھر آپ نے متعدد بزرگانِ سلف کے حوالہ سے لکھا ہے کہ جسمانی محسن خاص طور پر والدین کی بے ادبی تنگی معاش کا ذریعہ بن جاتی ہے تو روحانی محسنوں استاذ، شیخ، محدثین و مفسرین، ائمہ مجتہدین، صحابہ کرام اور رسول کریم کے حقوق کے معاملہ میں بے اعتنائی محرومی و نامرادی کا باعث بن جاتی ہے۔

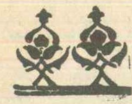
اس لئے میرے عزیزو! اپنی دنیا اور آخرت کی اصلاح کے لئے ادب و احترام کا وطیرہ اختیار کرو اور بے ادبی و بے احترامی کی مصیبت سے اپنے آپ کو بچاؤ۔ اللہ تعالےٰ ہمیں توفیق ادب سے نوازے۔ آمین! بحرمۃ سید المرسلین (صلی اللہ تعالیٰ علیہ و اصحابہ وسلم)

استاد کی تعظیم

حدیث: وَقِّرُوْا مَنْ تَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُ الْعِلْمَ۔
ترجمہ: جن سے تم علم سیکھتے ہو ان کی تعظیم کرو۔

حضرت مولانا عبیداللہ انور

الہلال اور اس کی دعوتِ قرآنی



الہلال اکادمی ۳۲- اے شاہ عالم مارکیٹ لاہور نے امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد قدس سرہٗ کے ہفت روزہ الہلال کے دورِ اوّل کا مکمل عکس نہایت ضخیم اور خوبصورت جلدوں میں شائع کرنے کے بعد لاہور کے فلیٹیز ہوٹل میں ۲۸ مئی ۱۹۸۳ء کو تقریبِ رونمائی کا اہتمام کیا جس کے مہمانِ خصوصی مرکزی وزیر دفاع میر علی احمد تالپور تھے۔ اس تقریب کے صدر مولانا محمد اسحاق کاشمیری رکن اسلامک مشن ابوظہبی تھے۔ اس پروقار تقریب میں دوسرے مقالہ نگاروں اور مقررین کے علاوہ حضرت مولانا عبیداللہ انور نے بھی مقالہ پڑھا ــــ جو نذرِ قارئین ہے ــــ (ادارہ)

صدرِ گرامی۔ محترم مہمانِ خصوصی اور معزز سامعین۔

الہلال کے تمام مضامین میں اسی کی ہدایت ہے کہ مسلمانوں کی کوئی خواہش ہو، کوئی ارادہ ہو، کوئی تعلیم اور کوئی پالیسی ہو تو صرف اتباعِ قرآن ہو اور وہ اس تنکے کی طرح جس کو کسی بحرِ طوفاں خیز میں ڈال دیا گیا ہو اپنے تئیں تعلیمِ الٰہی کے سمندر میں چھوڑ دیں۔ جس طرف وہ چاہے لے جائے اور جس کنارے انہیں چاہے لگا دے۔

(معارف جلد ۸۲ صـ ۳۲۷ ۱۹۵۸ء)

انہوں نے اپنی تحریروں کے ذریعہ مسلمانوں پر واضح کیا کہ وہ اسی وقت تک ترقی کرتے رہے جب تک قرآن حکیم کی اشاعت اور تبلیغ ان کا قومی عشق رہا اور ان کی تاریخ میں جو کچھ بھی ہے وہ صرف اسی کے لئے ہے انہوں نے اپنا وطن چھوڑا تو اسی کے لئے، عزیز و اقربا سے مہجور ہوئے تو اسی کی خاطر، مال دولت لٹایا تو اسی کی یاد میں، ان کی تلواریں بے نیام ہوئیں تو اسی کی صولت کے لئے اور ان کی گردنوں میں خون بہا تو اسی کے عشق میں، کیونکہ ان کی قومی زندگی کی صدا یہ تھی "میری عبادت، میری قربانی، میرا جینا، میرا مرنا، غرضیکہ زندگی اور زندگی میں جو کچھ ہے سب اللہ کے لئے ہے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔

(صـ ۳۲۸ ایضاً)

وہ مسلمانوں کو بہت ہی دلنشین انداز میں بتاتے رہے کہ قرآن پاک دنیا کی سب سے بڑی سعادت ہے، جس کے ذریعہ کشورِ انسانیت کی تعمیر از سرِ نو ہوئی جس نے نیکیوں کا ایک لشکر ترتیب دیا، جس نے صدیوں کی پھیلی ہوئی گمراہیوں کو شکست دی اور قرآنی بندگی و پرستش کی ایک ایسی بادشاہت قائم کر دی جس کے آگے دنیا کی تمام ماسوی اللہ طاقتیں سرنگوں ہو گئیں اور وہ خود قرآن مجید کو ایسی روشنی سمجھتے تھے جس کے ذریعہ انسانی اعمال کی تمام تاریکیاں دُور ہو سکتی ہیں۔

(ایضاً صـ ۳۲۹)

یہ اقتباسات سید صباح الدین عبدالرحمٰن صاحب جیسے محقق و نقاد کے ہیں جو انہوں نے ۱۹۵۸ء میں سپردِ قلم کئے یہ وہ سال تھا جس میں مولانا ابوالکلام آزاد قدس سرہٗ کے سانحہ ارتحال کا سنگین حادثہ پیش آیا تھا۔ معارف جیسے ٹھوس علمی و تحقیقی پرچہ کے ایڈیٹر شاہ معین الدین احمد ندوی تھے جلد ۸۱ کے تیسرے شمارہ (مارچ ۱۹۵۸ء) میں مولانا کا طویل نثری مرثیہ شاہ صاحب نے لکھا ــ اس کی ابتدائی سطور یہ تھیں ــــ

بالآخر اس مسیحا نفس نے بھی جانِ جاں آفریں کے سپرد کر دی جو نصف صدی تک اپنے انفاس گرم سے مردہ دلوں میں زندگی کی روح پھونکتا رہا وہ روشن ضمیر اُٹھ گیا جو اپنے نورِ بصیرت سے تاریک دماغوں کو منور کرتا رہا۔ کاروانِ ملت کا وہ حدی خواں رخصت ہو گیا جو اپنی ہدایت و رہنمائی سے گم کردہ راہوں کو راہِ راست دکھلاتا رہا۔ وہ شمعِ فروزاں خاموش ہو گئی جس کی روشنی سے علم و معرفت کا ہر گوشہ منور تھا، مولانا ابوالکلام کی وفات تنہا ہندوستان کا نہیں بلکہ پوری دنیائے اسلام کا حادثہ ہے اور اس حادثہ پر جتنا ماتم کیا جائے کم ہے۔

ع آسماں راحق بود گر خوں ببارد بر زمیں

اسی سال میں سید صباح الدین عبدالرحمٰن صاحب نے الہلال کا مطالعہ دو طویل قسطوں میں لکھا جو معارف کے ۶۰ سے زائد صفحات پر پھیلا ہوا ہے اسی کے اقتباس تھے جو میں نے اوپر نقل کئے تاکہ اندازہ ہو سکے کہ ایک غیر جانبدار علمی ادارہ کے اربابِ بصیرت مولانا کے متعلق کیا رائے رکھتے ہیں؟ یہ اقتباس اس بات کی غمازی کرتے ہیں کہ مولانا مرحوم کا اوڑھنا بچھونا قرآن عزیز تھا اور وہ زندگی کے کسی دَور میں بھی اس سے غافل نہیں ہوئے قرآن عزیز کے سلسلے میں ان کی یہ دلچسپیاں اس وجہ سے تھیں کہ وہ ایک مومن صادق کی حیثیت سے جانتے تھے کہ یہی کتاب مبین ہے جس کو اللہ تعالےٰ نے نور و ہدایت اور برہان قرار دیا ہے، اسی کتاب کے متعلق صاحبِ وحی علیہ السلام نے ذکر کیا ہے کہ لوگوں کا عروج و زوال اس سے وابستہ ہے ــــ ابوالکلام کی عبقری رُوح، قرآنی علوم و معارف میں غوطہ زن ہو کر اس حقیقتِ کبریٰ سے واقف ہو چکی تھی اور اس کے ساتھ ہی اسلاف سے جو ورثہ انہیں ملا تھا اس نے اس معاملہ میں انہیں اور ہی حساس بنا دیا تھا ــ اسلاف کے ورثہ کے ضمن میں وہ تذکرہ میں لکھتے ہیں:

بلاشبہ اسلاف کے ورثۂ علم و حق پرستی کو دنیا کی ہر نعمت سے زیادہ عزیز رکھتا ہوں اور نہیں چاہتا کہ کبھی اس نشہ سے میرا دماغ خالی ہو۔...... خدمتِ علم و حق ایک سرمایہ سعادت ہے جو مجھ تہی دست تک پہنچا ہے میری محرومی ہے اگر اس کو بچا نہ سکا اور فضلِ الٰہی کی بخشش ہے اگر اس کی عزت اور نامِ نیک کو آنے والوں کے لئے محفوظ چھوڑ گیا۔ (صـ ۲۸)

گویا وہ سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے الفاظ میں "بگڑے ہوئے صاحبزادے" نہ تھے کہ ما وجدنا علیھا اباءنا کی آڑ میں گمراہی و ضلالت کی راہ چل کر اسلاف کا سہارا لیں، انہوں نے اسلاف کا سہارا لیا اور ان پر بجا طور پر فخر کیا تو محض علم و حق کے ورثہ کی غرض سے، اور یہی ان کی سب سے بڑی سعادتمندی ہے ــــ ایک ابوالکلام پر ہی منحصر نہیں ہر وہ انسان جس کو اللہ تعالیٰ نے فطرت سلیم بخشی ہے وہ قرآن کے معاملہ میں اس احساس کا مالک ہے ــ شیخ الہند مولانا محمود حسن رحمہ اللہ تعالیٰ کے متعلق سب جانتے ہیں کہ مولانا کے کتنے قدر دان تھے ــــ مولانا سعید احمد اکبرآبادی کے بقول حضرت شیخ الہند نے فرمایا:

میں الہلال کیوں نہ پڑھوں کہ یہ پہلا رسالہ ہے جس نے ہم کو جہاد کا سبق یاد دلایا ہے جو ہمارا فریضہ تھا اور ہم اسے بھول چکے تھے۔ (برہان دہلی جون ۱۹۷۰ء)

یہ شیخ الہند مالٹا سے واپسی پر اپنے مخصوص خدام کو امتِ مسلمہ کی زبوں حالی و نامرادی کی طرف توجہ دلاتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس کا سبب مسلمانوں کی قرآن سے دُوری اور آپس کا انتشار ہے لہٰذا انتشار سے بچنا اور قرآن کی طرف رجوع بے حد ضروری ہے ــــ اور شیخ الہند کے شاگردِ رشید اور مولانا آزاد کے رفیقِ سفر مولانا عبیداللہ سندھی نے لکھا:

رہتی دنیا تک مسلمانوں کی جب بھی کوئی جماعت اس پر (قرآن پر) عمل کرے گی تو اس سے وہی نتائج پیدا ہوں گے جو تاریخ اسلام کے دَورِ اوّل یعنی خلافتِ راشدہ میں دنیا نے دیکھے یہ قرآن کی تاثیر ہے کسی آدمی یا زمانے کی تحقیق لغو ہے۔

(شاہ ولی اللہ کی سیاسی تحریک صـ ۵۷)

بہر طور یہی اسباب و عوامل تھے

کہ مولانا آزاد نے اپنی تمام تر توجہات کا مرکز قرآن عزیز کو بنایا اور کہنا چاہیے کہ الہلال کی اشاعت کا سب سے بڑا محرک بھی تھا ترجمان القرآن کے مقدمہ میں رقمطراز ہیں:

ایک زمانہ تھا کہ مسلمانوں میں مذہبی اصلاح و تجدید کی ضرورت کا احساس نہ تھا مگر ۱۹۱۲ء میں مَیں نے الہلال جاری کیا اور قرآن کے مطالعہ و تدبر کی ایک نئی راہ (جو فی الحقیقت نئی نہ تھی) روشنی میں آئی۔ اس وقت سے میں برابر دیکھ رہا ہوں کہ لوگوں کو اصلاح کی ضرورت کا نہ صرف احساس ہے بلکہ عالمگیر خواہش پیدا ہوگئی ہے لوگ چاہتے ہیں کہ قرآن کو اس کی حقیقی شکل و نوعیت میں دیکھیں۔

(صـ۱۰ ج ۱ مطبوعہ دہلی ساہتیہ ایڈیشن ۱۹۸۰ء)

اسی مقدمہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس مقصد کے لئے مولانا ایک باقاعدہ ادارہ قائم کرنا چاہتے تھے اور اس کے لئے انہوں نے تفصیلات قلمبند بھی کر لی تھیں۔ ان تفصیلات کی روشنی میں مرحوم نے باقاعدہ اوقات کار کی تقسیم کر لی تھی اور کام شروع تھا لیکن ۱۹۱۶ء کی نظربندی کے پیشِ نظر تمام تحریری سرمایہ ضبطی کا شکار ہو گیا جو گو کہ ابتدا میں واگذار بھی ہو رہا تھا لیکن مرکزی حکومت کی جابرانہ پالیسی نے اس نخل کو بار آور نہ ہونے دیا۔ مولانا رانچی میں تھے وہاں بقول سید سلیمان ندوی درس قرآن ان کا مشغلہ تھا سید صاحب فرماتے ہیں:

زمانۂ قیامِ رانچی میں ایک سال تک جامع مسجد میں انہوں نے مسلمانوں کو قرآن مجید کا درس دیا زیادہ تر اوقات تالیف و تصنیف میں بسر ہوئے۔ ترجمان القرآن یعنی قرآن مجید کا مؤثر تفسیری ترجمہ اسی زمانے میں ختم ہوا۔

(مولانا آزاد فکر و فن از ملک منظور احمد گورکھپور یونیورسٹی صـ۳۱۷)

سیّد صاحب کے ارشاد گرامی سے جہاں نظر بندی کے دَور کی مولانا کی مصروفیات کا اندازہ ہوتا ہے وہاں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ترجمان القرآن تکمیل پذیر ہو چکی تھی لیکن واحسرتا کہ پروفیسر اجمل خان مرحوم نے یہ کہہ کر مِلّت کو مایوس کر دیا کہ سورۂ مومنون سے آگے بات نہیں بڑھی حالانکہ ان کے اس ارشاد کے بعد سورۂ نور کا مکمل مسودہ دستیاب ہو گیا جو ساہتیہ اکادمی دہلی کے نسخہ کے ساتھ ساتھ اسلامی اکادمی لاہور کے نسخہ میں بھی شامل ہو چکا ہے ـــــ بہر طور ترجمان کی تیسری جلد کی تلافی ایک طرف مولانا غلام رسول مہر نے کی جو مولانا کے رمز شناس ان کی تحریرات سے واقف اور ان کے خواجہ تاش تھے تو دوسری طرف مولانا محمد عبدہ نے پورا ابوالکلامی ذخیرہ کھنگال کر جواہر پاروں کو اکٹھا کیا اور جہاں کچھ نہ مِلا اپنے طور پر سعی کر کے تکمیل کر ڈالی جو بقول مولانا محمد حنیف ندوی فان لم یصبھا وابل فطل کا مصداق ہے کہ بارش نہ سہی تو پھوار ہی سہی۔

ابوالکلام نے جس خوبصورت زبان میں کلام الٰہی کے مطالب کو حل کیا کہ سجّاد انصاری محشر خیال میں یوں بول اٹھے کہ:

میرا عقیدہ ہے کہ اگر قرآن نازل نہ ہو چکا ہوتا تو مولانا ابوالکلام کی نثر اس کے لئے منتخب کی جاتی۔

اس سے آپ آگے بڑھیں تو آپ کو حیرانی ہوگی کہ ایک مرتبہ اُس دفعہ تمام مسودات ضبط ہوئے جب مولانا رانچی میں نظر بند ہوئے تو پھر ۱۹۲۱ء کی تحریک لاتعاون کے دَوران گرفتاری کے مرحلہ کے ساتھ ساتھ تمام مسودات برباد ہو گئے۔ مولانا فرماتے ہیں کہ اس مرتبہ کی گرفتاری پریس کے انتظامات میں خلل نہ ڈال سکتی تھی کیونکہ میں نے انتظامات مکمل کر لئے تھے لیکن برطانوی پارلیمنٹ میں جس لارڈ اٹیلی نے اپنی بدبختی و نامرادی سے قرآن کو زمین پر دے مارا تھا اس کی نسل کہاں معاف کرنے والی تھی مولانا کے مقدمہ کے لئے مواد فراہم کرنا اس کی ضرورت تھی اس نے اس ضرورت کے لئے تمام کاغذات و مسودات اڑا لئے ـــــ ابوالکلام جیسا بردبار، مستقل مزاج اور استقامت کا پہاڑ اس موقع پر اپنے دل کے داغ ظاہر کرنے سے باز نہ رہ سکا ـــــ فرماتے ہیں:

لیکن گرفتاری کے بعد جو واقعہ پیش آیا وہ اس افسانے کی آخری المناکی ہے اس کی وجہ سے نہ صرف ترجمان القرآن اور تفسیر کی اشاعت رُک گئی بلکہ میری علمی زندگی کے ولولے افسردہ ہو گئے۔ گرفتاری کے بعد جب حکومت نے محسوس کیا کہ میرے خلاف مقدمہ چلانے کے لئے کافی مواد موجود نہیں ہے تو اسے مواد کی جستجو ہوئی اور اس لئے تیسری مرتبہ میرے مکان اور مطبع کی تلاشی لی گئی۔ تلاشی کے لئے جو لوگ آئے تھے ان میں کوئی شخص ایسا نہ تھا جو اردو یا عربی یا فارسی کی استعداد رکھتا ہو جو چیز بھی ان زبانوں میں لکھی ہوئی ملی انہوں نے خیال کیا اس میں کوئی نہ کوئی بات حکومت کے خلاف ضرور ہوگی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ قلمی مسودات کا تمام ذخیرہ اُٹھا لے گئے حتیٰ کہ ترجمان کی لکھی ہوئی تمام کاپیاں بھی توڑ مروڑ کر مسودات کے ڈھیر میں ملا دیں۔

(ترجمان القرآن ساہتیہ ایڈیشن صـ۲۴ ج ۱)

علمی و دعوتی کام کرنے والے ایک شخص کے لئے یہ صدمہ جتنا جانکاہ ہو سکتا ہے اس کا اندازہ ہر ایک کے بس میں نہیں، اتنا بڑا صدمہ مولانا کی زندگی میں آیا لیکن انہوں نے اپنے آپ کو حرف شکایت زبان پر لانے کا حقدار نہ سمجھا اور عرفی کے اس شعر کو اپنی ترجمانی قرار دیا ہے

زاں شکستم کہ بہ دنبال دل خویش مدام
در نشیب شکن زلف پریشاں رفتم

حرف شکایت زبان پر نہ لانے کا وہ اپنے کو حقدار اس لئے نہ سمجھتے کہ بقول خود "سیاسی زندگی کی شورشیں اور علمی زندگی کی جمعیتیں ایک زندگی میں جمع نہیں ہو سکتیں اور پنبہ و آتش میں آشتی محال ہے۔ میں نے چاہا دونوں کو بیک وقت جمع کروں۔ میں نامراد ایک طرف متاع فکر کے انبار لگاتا رہا دوسری طرف برق خرمن سوز کو بھی دعوت دیتا رہا نتیجہ معلوم تھا۔"

۱۹۲۷ء میں ایک بار پھر ادھر متوجہ ہوئے گویا جو الہلال کا دَور ثانی ہے ـــــ اور آپ نے ترجمان القرآن پر اپنی توجہات مرکوز کر دیں اسی طرح مقدمہ تفسیر اور البیان کی ترتیب میں جُت گئے اور احباب گرامی سے یہ بات مخفی نہیں کہ یہ دَور ہندوستان میں شدید افراتفری اور سنگین نوعیت کی سیاسی مصروفیتوں کا دَور تھا لیکن وہ اس چیز سے ایک لمحہ کو غافل نہ ہوئے۔ یہ بات بجائے خود ان عزیزان گرامی کے تصور کی نفی کرتی ہے جو ۱۹۱۴ء تک تو ابوالکلام کو خادم قرآن مانتے ہیں لیکن اس کے بعد اس حقیقت کے انکار سے اِبا کرتے ہیں ـــــ مولانا مرحوم نے بار بار مسودات کی ضبطی کے باوصف یہ محنت جو کی تو محض اس لئے کہ وہ بدترین حالات میں گھرے ہوئے مسلمانوں کو ایک ایسی کتاب دینا چاہتے تھے جو مطالب قرآنی کے فہم و تدبر کا کام دے اس میں کتب تفسیر کی تفصیلات تو بے شک نہ ہوں لیکن وہ باتیں ضرور ہوں جو فہم قرآن کے لئے ٹھیک ٹھیک ضروری ہیں ـــــ اور تراجم قرآنی کا تقابلی مطالعہ کرنے والے ابوالکلام کی اس محنت کو نظر انداز نہیں کر سکتے کہ مرحوم نے قرآن کو قرآن کے انداز میں لوگوں کے سامنے کس طرح پیش کیا اور یہ اُن کا کتنا بڑا احسان ہے؟ ایک ترجمان القرآن پر بس نہیں، قرآن سے اُن کے تعلق خاطر پر الہلال کی ایک ایک سطر گواہ ہے اور مولانا مہر مرحوم نے متعدد کتب و رسائل کی باقیات ترجمان کے مقدمہ میں نشاندہی کی ہے جو اس سلسلہ سے متعلق ہیں اور ایسا ہونا ضروری تھا کیونکہ انہوں نے ۱۹۳۰ء میں یہ بات لکھی تھی کہ کامل ۲۷ برس سے قرآن مجید میرے شب روز کے فکر و نظر کا موضوع رہا ہے۔ گویا ۱۹۰۳ء میں جب کہ وہ ابھی محض ۱۴، ۱۵ برس کے تھے وہ اپنے آپ کو ہمہ تن قرآن کی طرف متوجہ کر چکے تھے۔ جب الہلال منصہ شہود پر آیا تو برسہا برس کی محنتیں صفحہ قرطاس پر اُبھرنے لگیں ـــــ صباح الدین عبدالرحمٰن کے الفاظ میں:

الامر بالمعروف والنہی عن المنکر، القسطاس المستقیم، الجہاد فی الاسلام، عید اضحیٰ، موعظۃ و ذکریٰ، الحج، محرم الحرام، حقیقۃ الصلوٰۃ وغیرہ جملہ

مضامین قرآن کی طرف مراجعت ہی کی غرض سے لکھے گئے اور مولانا اپنے ہر مضمون میں یہی بات دہراتے رہے کہ ـــــ

مسلمانوں کی ساری مصیبتیں صرف اس غفلت کا نتیجہ ہیں کہ انہوں نے قرآن پاک کو چھوڑ دیا اور وہ سمجھنے لگے ہیں کہ صرف نماز روزہ کے مسائل کے لئے اسی کی طرف نظر اٹھانے کی ضرورت ہے ورنہ تعلیمی، تمدنی اور سیاسی اعمال سے اس کو کوئی سروکار نہیں، اسی خیال نے ان کو قرآن سے دُور کیا اور جس قدر اس سے دُور ہوتے چلے گئے اتنی ہی تمام دنیا ان سے دُور ہوتی گئی اور وہ جس طرف بڑھے گمراہی کی ظلمت سے دو چار ہوئے۔

(الہلال ۸ ستمبر ۱۹۱۲ء)

مولانا نے ۱۹۰۳ء میں قرآن پر غور کرنا شروع کیا اور ۱۹۱۱ء سے کسی نہ کسی ذریعہ سے امت مسلمہ کو اس طرف متوجہ کرنے کی کوشش شروع کر دی جمعیۃ علماء ہند لاہور کے خطبہ صدارت ۱۹۲۱ء میں انہوں نے حسرت بھرے انداز میں کہا:

یہی وہ یوسف مقصود ہے جس کے فراق میں ۱۹۱۱ء سے مسلسل وا اسفا علی یوسف کی فغاں سنجی کر رہا ہوں اور جس کے لئے میں نے الہلال مرحوم کے صفحوں کو کبھی اپنے چشم خونیں کے آنسوؤں سے رنگا ہے اور کبھی اس کے سواد حروف کے اندر اپنے دل و جگر کے ٹکڑے بچھا دئے ہیں خدا کی کوئی صبح مجھ پر ایسی طلوع نہیں ہوئی جب اس مقصد کی طرف سے میرا دل خالی ہُوا ہو اور کوئی شام مجھ پر ایسی نہیں گذری جب میں نے اس تمنا میں اپنے بستر غم و اندوہ پر بے قراری میں کروٹیں نہ بدلی ہوں۔

(جمعیۃ علماء ہند ص۱۰۱ ج۱
مطبوعہ اسلام آباد ۱۹۸۰ء)

وہ یوسف مقصود وہی تھا جس کا ذکر اوپر آچکا ہے ـــ یعنی قرآن اور اس کی دعوت کا عام کرنا ـــ مولانا ۹ اکتوبر ۱۹۱۲ء کے الہلال میں فرماتے ہیں:

مسلمانوں کے لئے تمام عالم میں صرف ایک ہی ہاتھ ہے جو رہنما ہو سکتا ہے، ایک ہی چشم نگراں ہے جو لغزشوں سے بچا سکتی ہے یہ وہی ہے جو کبھی کوہ سینا پر تجلی حق بن کر چمکی، کبھی فاران پر ابر رحمت بن کر نمودار ہوئی، کبھی غار ثور میں لا تحزن ان اللّٰہ معنا کی صدا تھی، کبھی بدر کے کنارے ان ینصرکم اللّٰہ فلا غالب لکم کے پیغام میں تھی کبھی احد کے دامن میں وکان حقًّا علینا نصر المومنین کی بشارت تھی اور آج ایک لٹے ہوئے کارواں ایک برباد شدہ قافلہ اور ایک برہم شدہ انجمن کے لئے امید کا آخری سہارا اور زندگی کی آخری روشنی ہے۔

۸ ستمبر ۱۹۱۲ء کے الہلال میں اس دعوت مقدسہ کو بڑے جوش و تمکنت کے ساتھ یوں صفحہ قرطاس پر دہراتے ہیں:

اسلام انسان کے لئے ایک جامع اور مکمل قانون لے کر اور انسانی اعمال کا کوئی مناقشہ ایسا نہیں جس کے لئے وہ حکم نہ ہو وہ اپنی توحید کی تعلیم میں نہایت غیور ہے اور کبھی پسند نہیں کرتا کہ اس کی چوکھٹ پر جھکنے والے کسی دوسرے دروازے کے سائل بنیں ـــ (اگر اس میں جامعیت نہ ہوتی تو) وہ خدا کا آخری اور عالمگیر مذہب نہ ہو سکتا وہ خدا کی آواز اور اس کی تعلیم گاہ کا حلقہ درس ہے جس نے خدا کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ دیا ہے اور پھر کسی انسانی دستگیری کا محتاج نہیں یہی وجہ ہے کہ قرآن نے ہر جگہ اپنے تئیں امام مبین، حق الیقین، نور و کتاب مبین، تبیانا لکل شئی، بصائر للناس، ھدی الی السبیل، جامع اضراب و امثال، بلاغ الناس، حاوی بحر و بر اور اسی طرح کے ناموں سے یاد کیا ہے۔ اکثر موقعوں پر کہا کہ وہ ایک روشنی ہے اور روشنی جب نکلتی ہے تو ہر طرح کی تاریکی دُور ہو جاتی ہے خواہ وہ مذہبی گمراہیوں کی ہو خواہ سیاسی۔

۸ ستمبر ۱۹۱۲ء کے الہلال میں ہی

مولانا زور دے کر لکھتے ہیں:

ہمارا عقیدہ ہے کہ جو مسلمان اپنے کسی عمل و اعتقاد کے لئے بھی قرآن کے سوا کسی دوسری جماعت یا تعلیم کو اپنا رہنما بنائے وہ مسلم نہیں بلکہ شرک فی صفات اللہ کی طرح شرک فی صفات القرآن کا مجرم اور اس لئے مشرک ہے۔ (الہلال ۸ ستمبر ۱۹۱۲ء)

اس شمارہ میں ایک سوال ہے جو کسی صاحب نے بھیجا اور اس خواہش کا اظہار کیا کہ سیاسی و مذہبی تعلیم کو خلط ملط نہ کریں بلکہ دونوں کو علیحدہ علیحدہ رکھیں ـــ جواباً مولانا نے لکھا:

آپ فرماتے ہیں کہ پولیٹیکل مباحث کو مذہبی رنگ سے الگ کر دیجئے، لیکن اگر الگ کر دیں تو ہمارے پاس باقی کیا رہ جاتا ہے؟ ہم نے تو اپنے پولیٹیکل خیالات بھی مذہب ہی سے سیکھے ہیں وہ مذہبی رنگ ہی میں نہیں بلکہ مذہب کے پیدا کئے ہوئے ہیں، ہم انہیں مذہب سے کیونکہ الگ کر دیں۔ ہمارے عقیدہ میں تو ہر وہ خیال جو قرآن کے سوا اور کسی تعلیم گاہ سے حاصل کیا گیا ہو وہ کفر صریح ہے اور پالٹیکس بھی اسی میں داخل ہے افسوس کہ آپ حضرات نے اسلام کو کبھی بھی اس کی اصلی عظمت میں نہیں دیکھا ما قدروا اللہ حق قدرہ۔

مولانا کا جو دعوتی انداز تھا وہ فی الحقیقت قرآن عظیم کی گہرائیوں میں ان کی ڈوبی ہوئی روح کی صدائے بازگشت تھی رشید احمد صدیقی نے بالکل صحیح لکھا ہے کہ:

مولانا نے لکھنے کا انداز لب و لہجہ اور مواد کلام پاک سے لیا جو ان کے مزاج کے مطابق تھا مولانا پہلے اور آخری شخص ہیں جنہوں نے براہ راست قرآن کو اپنے اسلوب کا سرچشمہ بنایا۔ وہی انداز بیان اور زور کلام اور وعید و تہدید کے تازیانے جن کے بارے میں کہا گیا ہے کہ پہاڑوں کو رعشہ سیماب طاری کر دیتا ہے۔

(ص۴۶۹ معارف دسمبر ۱۹۵۸ء)

اور یہی صدیقی صاحب ان کی تفسیر پر تبصرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں:

مولانا نے اپنی تفسیر میں اس کا لحاظ رکھا ہے کہ کلام الٰہی میں اپنے نقطہ نظر کا جواز نکالنے کے بجائے کلام پاک ہی کے نقطہ نظر کو پانے اور پیش کرنے کی کوشش کی جائے ـــ یہ کام بڑی دیانت اور جرأت کا ہے۔

(ایضاً ص۴۷۳)

ان گذارشات و معروضات اور اقتباسات سے یہ بات سمجھنی آسان ہو جاتی ہے کہ مولانا کا مقصد وحید یہ تھا کہ مسلمان قوم قرآن کی طرف متوجہ ہو جائے اور اسوۂ رسالت مآب پر عمل کرنے لگے گویا:

؎ نیست ممکن جز بقرآن زیستن
مصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست

اور ؎

کے دو مصرعوں میں ان کی عمر بھر کی محنت کا نچوڑ پیش کیا جا سکتا ہے ہم بتا چکے ہیں کہ سیاسی زندگی کے زبردست ہنگاموں میں بھی انہوں نے اس مقصد کو نہیں بھلایا اور اپنے معتقدات کے اظہار اور دعوت کے پھیلانے سے غافل نہیں ہوئے ۱۹۴۰ء کے کانگریس کے اجلاس رام گڑھ میں انہوں نے جس طرح اپنے مسلمان ہونے اور اسلامی روایات سے اپنے تعلق کا اظہار و اعلان کیا وہ کرسی صدارت سے ایسا اعلان حق تھا جس کی توفیق مصلحت کوش لوگوں کو کم ہی نصیب ہوتی ہے ـــ یہ بات وہی کہہ سکتا ہے جس کا رشتہ انسلاک اپنے خالق و مالک سے اتنا پختہ ہو کہ راستہ کا کوئی کانٹا اور کوئی رکاوٹ اس کی راہ نہ روک سکے۔ خود اس کے اپنے الفاظ میں یہ کام "بے پناہ" لوگ ہی کر سکتے ہیں ـــ اور بے پناہ ہونا ہی وہ ہے جس کی نظریں اللہ تعالیٰ کی کبریائی پر گڑ جائیں ـــ ۱۹۱۲ء کے الہلال (۸ ستمبر) کا ایک اقتباس اور تقسیم ملک کے بعد ہندی مسلمانوں کے سامنے مولانا کی تقریر کا ایک حصہ مزید عرض کر کے اپنی معروضات ختم کروں گا ـــ یہ اقتباس گویا الہلال کی دعوت قرآنی کا نچوڑ اور خلاصہ ہے ـــ مولانا فرماتے ہیں:

الہلال کا اصل مقصد اس کے

سوا اور کچھ نہیں کہ وہ مسلمانوں کو ان کے تمام اعمال و معتقدات میں صرف کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ پر عمل کرنے کی دعوت دیتا ہے اور خواہ وہ تعلیمی مسائل ہوں، خواہ تمدنی ہوں، سیاسی ہوں، خواہ اور کچھ، وہ ہر جگہ مسلمانوں کو صرف مسلمان دیکھنا چاہتا ہے، اس کی صدا صرف یہی ہے کہ تعالوا الی کلمۃ سواءٍ بیننا و بینکم اس کتاب کی طرف آؤ جو ہم اور تم دونوں میں مشترک ہے اور جس سے کسی کو اعتقاداً انکار نہیں۔

رہ گئی دلی کی تقریر جو تقسیم کے بعد انھوں نے جامع مسجد دہلی میں کی تو اسے ہمارے محترم دوست حافظ عبدالرشید ارشد نے بجا طور پر "خطبہ احیائے ملت" کا عنوان دیا ہے ــــ یہ تقریر اگست ۴۷ء میں ہوئی جب کہ تقسیم کے نتیجہ میں دہلی کے کوچہ و بازار مسلم آبادی پر تنگ ہو چکے تھے ــــ اس میں مولانا نے وہی بات کہی جس پر انھوں نے ۱۹۰۳ء میں سوچنا شروع کیا جو الہلال و البلاغ کے صفحات پر برابر لکھی جاتی رہی اور جس کا غلغلہ اہل لاہور نے ۱۹۲۱ء میں جمعیۃ علما ہند کے اجلاس میں سنا ــــ آج جبکہ ابوالکلام بوڑھے ہو چکے تھے اور حوادث روزگار نے ان کی ہڈیاں پگھلا دی تھیں تب بھی انہوں نے وہی بات کہی۔

اس طویل تقریر میں مولانا نے پہلے تو شاہ جہانی مسجد دہلی سے اپنے قدیم تعلق کا ذکر کیا پھر مسلمانوں کے پر امن و اطمینان ماضی اور حال کی افسردگی کا ذکر کیا ــــ اجڑے دیار میں اپنی غریب الوطنی کا مرثیہ پڑھا اور پھر یکایک یوں صور اسرافیل پھونکا:

یہ دیکھو مسجد کے مینار! تم سے جھک کر سلام کرتے ہیں کہ تم نے اپنی تاریخ کے صفحات کو کہاں گم کر دیا ہے ابھی کل کی بات ہے کہ جمنا کے کنارے تمہارے قافلوں نے وضو کیا تھا اور آج تم ہو کہ تمہیں یہاں رہتے ہوئے خوف محسوس ہوتا ہے ــــ عزیزو! اپنے اندر تبدیلی پیدا کرو (اور سوچو) کہ مسلمان کو نہ تو کوئی طمع ہلا سکتی ہے اور نہ کوئی خوف ڈرا سکتا ہے۔ اگر دل ابھی تک تمہارے پاس ہے تو اسے خدا کی جلوہ گاہ بناؤ جس نے آج سے تیرہ سو برس پہلے عرب کے ایک امی کی معرفت فرمایا تھا "جو خدا پر ایمان لائے اور اس پر جم گئے تو پھر ان کے لئے نہ تو کسی طرح کا ڈر ہے اور نہ کوئی غم"۔...... میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ تم حاکمانہ اقتدار کے مدرسے سے وفاداری کا سرٹیفکیٹ حاصل کرو جو غیر ملکی حاکموں کے عہد میں تمہارا شعار رہا ہے، میں کہتا ہوں جو اجلے نقش و نگار تمہیں اس ہندوستان میں ماضی کی یادگار کے طور پر نظر آ رہے، وہ تمہارا ہی قافلہ لایا تھا انہیں بھلاؤ نہیں.... ان کے وارث بن کر رہو..... آج زلزلوں سے ڈرتے ہو کبھی تم خود زلزلہ تھے آج اندھیرے سے کانپتے ہو کیا یاد نہیں کہ تمہارا وجود ایک اجالا تھا یہ پانی کی سیل کیا ہے کہ تم نے بھیگ جانے کے ڈر سے پائنچے چڑھا لئے ہیں۔ وہ تمہارے ہی اسلاف تھے جو سمندروں میں اتر گئے۔ پہاڑوں کی چھاتیوں کو روند ڈالا بجلیاں آئیں تو ان پر مسکرا دئے بادل گرجے تو قہقہوں سے جواب دیا صرصر اٹھی تو اس کا رخ پھیر دیا آندھیاں آئیں تو ان سے کہا تمہارا راستہ یہ نہیں ہے یہ ایمان کی جانکنی ہے کہ شہنشاہوں کے گریبانوں سے کھیلنے والے آج خود اپنے گریبانوں سے کھیلنے لگے اور خدا سے اس درجہ غافل ہو گئے کہ جیسے ان پر کبھی ایمان نہیں تھا۔ عزیزو! میرے پاس تمہارے لئے کوئی نیا نسخہ نہیں ہے وہی پرانا نسخہ ہے جو برسوں سے پہلے کا ہے وہ نسخہ جس کو کائنات انسانی کا سب سے بڑا محسن لایا تھا وہ نسخہ ہے قرآن کا یہ اعلان لاتھنوا ولاتحزنوا وانتم الاعلون ان کنتم مؤمنین۔

اللہ تعالےٰ اس مرد حق آگاہ کی قبر کو اپنے انوار سے بھر دے اور اسکے پیغام صداقت پر ہمیں کان دھرنے کی توفیق دے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

مولانا ظفر احمد قادری، واہگہ

ایک تابندہ نقش، ایک عظیم رہنما

حضرت حکیم الاسلام قاری محمد طیب قدس سرہ

سب کہاں کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہو گئیں
خاک میں کیا صورتیں ہوں گی کہ پنہاں ہو گئیں

جس بات کا دھڑکا لگا ہوا تھا آخر وہ پیش آ گئی۔ حضرت حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحبؒ مدیر اعلیٰ دارالعلوم دیوبند جن میں حضرت علامہ انور شاہ کشمیری قدس سرہ اور حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی قدس سرہ کا گہرا رنگ نمایاں تھا۔ جو نہایت بیدار مغز محقق، مدقق، جامع معقول و منقول تھے کثیر التصانیف تھے۔ اللہ کو پیارے ہو گئے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

اس وقت اپنے زخمی دل کو سہلانے کے لئے یہ چند سطریں سپرد قرطاس کی جاتی ہیں۔

ابتدائی حالات

ماہ جون ۱۸۹۷ء مطابق ماہ جمادی الثانی ۱۳۱۵ھ بروز یکشنبہ حضرت حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحبؒ نے اپنی مبارک پیدائش سے اس عالم کو منور کیا۔

اسم گرامی

اسم گرامی محمد طیب تجویز ہوا اور تاریخی مظفر الدین رکھا گیا۔ سات سال تک بڑے ناز و نعم کے ساتھ والدین کی آغوش میں پرورش پاتے رہے۔

ابتدائی تعلیم

۱۳۲۲ھ میں آپ کو تعلیم و تربیت کے لئے مادر علمی دارالعلوم کی آغوش میں دے دیا گیا۔ اور وقت کے بڑے بڑے شیوخ اور بزرگوں کی موجودگی میں مکتب نشینی کی مبارک تقریب عمل میں آئی۔

حضرت شیخ الہندؒ، شیخ طریقت مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ حضرت مولانا فضل الرحمٰن والد ماجد حضرت شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحبؒ اور اور آپ کے والد ماجد حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحبؒ جیسے باکمال لوگوں نے بسم اللہ کرائی۔

حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحبؒ نے اس مبارک مجلس کی تاریخ ذیل کے قطعہ سے نکالی ہے۔

حبذا مکتب طیب کی مبارک تقریب
کہ نئی طرح کا جلسہ تھا نئی طرح کی سیر
رب یسّر جو کہا اس نے تو بروئے آیا
فضل تاریخ میں بول اٹھا کہ تمم بالخیر

حفظ قرآن

حضرت قاری صاحبؒ نے دو سال کی قلیل مدت میں قرآن پاک حفظ کر لیا۔ اور ساتھ قرأت و تجوید میں مہارت تامہ حاصل کی۔ حفظِ قرآن شریف کے بعد درجہ فارسی میں داخل کئے گئے تو پانچ سال میں پورا نصاب مکمل کر کے سندِ فراغت حاصل کی۔

اعلیٰ تعلیم

اس کے بعد اعلیٰ تعلیم کے لئے آپ کو شعبہ عربی میں داخل کرایا گیا۔ چونکہ آپ بچپن سے ہی بے حد ذکی اور ذہین تھے اور اس کے ساتھ ساتھ خدائے پاک نے قوت حافظہ بطور خاص ودیعت فرمائی تھی۔

مبارک نسبتیں

نیز جس مقدس انسان حضرت نانوتوی قدس سرہ کی طرف آپ کی نسبی نسبت تھی انہیں کی نسبت روحانی نے مخفی صلاحیتوں کی روحانی تربیت و نگہداشت فرمائی۔ آٹھ سال کی مدت میں آپ نے

دار العلوم کی تمام نصابی تعلیم سے ۱۳۳۷ھ میں فراغت پا کر سندِ فضیلت حاصل کی۔

خصوصی تلمذ

آپ کو حضرت علامۃ العصر محدثِ اعظم حضرت علامہ انور شاہ صاحبؒ کشمیری قدس سرہٗ سے حاصل ہے۔ اس کے علاوہ حدیث کی خصوصی سند آپ کو وقت کے مشاہیر علمائے کرامؒ سے بھی حاصل ہے۔ چنانچہ حضرت مولانا شاہ خلیل احمد صاحب سہارنپوری قدس سرہٗ نے بطورِ خود سہارنپور طلب فرما کر اور اوائل حدیث کی تلاوت کرا کر اپنی خصوصی سند خود اپنے دستِ مبارک سے لکھ کر عنایت فرمائی۔ اسی طرح مولانا محمد عبد اللہ انصاری صاحبؒ انبیٹھویؒ نے اور آپ کے والد ماجدؒ نے بھی سندِ حدیث عطا فرمائی۔

مسندِ درس و تدریس

دورانِ تعلیم چونکہ اکابرؒ کی نگاہ حقیقت شناس نے آپ کی صلاحیتوں اور خدا داد علمی ملکات کو تاڑ لیا تھا نیز آپ کے ذاتی اوصاف اور علمی صلاحیتوں کا سب ہی کو اعتراف تھا اس لئے آپ کو تعلیم سے فراغت کے بعد منصبِ تدریس پر فائز کیا گیا خدا داد ذکاوت اور ذہانت علم و فراست اور پھر خاندانی وجاہت و نسبت کے سبب آپ نے بہت جلد مقبولیت اور علمی حلقوں کی گرویدگی حاصل کر لی۔ اِس علم و فضل کی مسند پر فائز ہونے کے بعد آپ کے حقیقی کمالات کے وہ جوہر کھلے جس کا اکابرؒ نے تہہ دل سے اعتراف کرتے ہوئے ہمیشہ عزت افزائی فرمائی ہے۔

تبلیغی سفر

حضرت قاری صاحبؒ اس زمانہ میں تبلیغی سفر بھی فرماتے۔ ایک مرتبہ ملتان کے ایک جلسہ میں حضرت قاری صاحبؒ کے بارش کے سبب کپڑے بھیگ گئے آپ صرف ایک تہبند باندھے اور ایک کمبل اوڑھے ہوئے سٹیج پر تشریف لائے تو حضرت علامہ کشمیریؒ نے فرمایا یہ جو آپ کے سامنے کمبل پوش فقیر نظر آ رہا ہے یہ اپنے زمانہ کا بہت بڑا خطیب ہوگا اور اسی طرح ہوا۔

حضرت علامہ انور شاہ صاحبؒ اپنے تبلیغی سفر میں آپ کو ساتھ رکھتے تھے۔ اور بڑے بڑے مواقع پر آپ سے مختلف موضوعات پر تقریر کرواتے تھے۔ اور پھر اظہار اطمینان و مسرت بھی فرماتے تھے۔

علومِ نانوتویؒ کے وارث

حضرت قاری صاحبؒ نے کئی کتابوں کے درس دئے آخر تک مشکوٰۃ اور شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہٗ کی کتاب حجۃ اللہ البالغہ کا درس دیتے تھے۔ کئی سال شمائل ترمذی بھی پڑھائی تھی۔ آپ حضرت نانوتویؒ کے علوم کے صحیح وارث تھے۔ دوسری طرف حضرت شاہ صاحب کے خاص تلمیذ تھے آپ کے درس میں ان دونوں بزرگوں کے علوم کا فیضان ہوتا۔

مسندِ اہتمام

۱۳۴۸ھ میں وقت کے اکابر و شیوخ اور ذمہ دار حضرت نے متفقہ قرار داد کے مطابق مسندِ اہتمام پر حضرت قاری صاحبؒ کو فائز فرمایا۔ آپ کا اہتمام سے تعلق ویسے تو ۱۳۴۰ھ سے ہو گیا تھا۔ جبکہ آپ کو نائب مہتمم بنایا گیا تھا۔ پھر حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحبؒ کی وفات کے بعد مجلس شوریٰ نے آپ کو مہتمم منتخب فرمایا۔

ترقی دار العلوم

جب حضرت قاری صاحبؒ نے اہتمام کی باگ ڈور سنبھالی تو انتظامی شعبے صرف آٹھ تھے۔ جبکہ اب وفات شریفہ کے وقت بائیس شعبے ہیں۔ اُس وقت دار العلوم کا بجٹ صرف پچاس ہزار تھا مگر اب مسئلہ پچاس لاکھ کے لگ بھگ کا ہے۔ عمارات میں آج الحمد للہ کروڑوں روپے کی فلک بوس عمارات قوم کی امانت ہیں۔

مسندِ رشد و ہدایت

حضرت حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحبؒ مسندِ رشد و ہدایت کے اونچے مقام پر فائز تھے۔ پہلے آپ کا سلسلہ بیعت حضرت مولانا محمود الحسن شیخ الہند قدس سرہٗ سے ۱۳۳۹ھ میں قائم ہوا ابھی آپ راہِ طریقت کی اعلیٰ منازل طے کر ہی رہے تھے کہ حضرت شیخ الہندؒ کا وصال ہو گیا پھر حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ سے رجوع کیا اور حضرت تھانوی کی زیرِ تربیت و نگرانی راہ معرفت و حقیقت کے اعلیٰ مدارج طے فرمائے۔ حضرت تھانویؒ کے ہاں بھی آپ کی بڑی قدر و منزلت تھی اور آپ کی تربیت میں حضرتؒ نے مخصوص طریقے پر عرفان کی منزلیں طے کروائیں۔

آخر کار جب شیخ کامل کی حقیقت شناس نگاہوں نے مرید باصفا کے جوہر استعداد کا اعتراف کر لیا تو ۱۳۵۰ھ میں آپ کو اپنا مجاز قرار دیا اور خلافت کے خلعتِ فاخرہ سے آپ کو مشرف فرمایا۔ اس کے بعد حضرت قاری صاحبؒ اپنے چشمہ ہدایت سے تشنہ کامانِ قلب و روح کو سیراب فرمانے لگے۔

تصانیف

حضرت قاری صاحب جہاں بڑے محدث، عالم، فقیہہ، متکلم، مقرر، بزرگ صوفی تھے وہاں حضرت بڑے پایہ کے مصنف بھی تھے آپ کی بہت ساری تصانیف و تالیف بھی ہیں۔ الگ الگ کتابوں پر تبصرہ کیا جائے تو بہت وقت درکار ہے۔ صرف تمام چند ایک کے لکھے جاتے ہیں۔ التشبہ فی الاسلام، فطری حکومت، اسلام اور فرقہ واریت، سائنس اور اسلام، مشاہیر اُمت، شانِ رسالت، فلسفہ نماز، شرعی پردہ، داڑھی کی شرعی حیثیت، مسئلہ تقدیر، اسلامی آزادی کا مکمل پروگرام، علم غیب، خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم، اسلام اور مغربی تہذیب، اسلام اور مسیحی تعلیمات، اصولِ دعوت، اسلام عالمی مذہب ہے، کلمہ کی حقیقت، نظریہ دو قرآن پر ایک نظر، فلسفہ طہارت، آفتاب نبوت، شہید کربلا اور یزید، اجتہاد اور تقلید، حدیث رسول کا معیار قرآنی، اسلام کا اخلاقی نظام، اور بھی کافی مضامین و تقاریر ہیں جو طبع ہو چکی ہیں یا ہو رہی ہیں۔

عقیدت کے پھول

چند ایک عقیدت کے پھول حضرت قاری صاحب کی خدمت میں عرض کئے جاتے ہیں ان کا تذکرہ کرنا ہے۔ ۱۹۴۷ء کے بعد حضرت قاری صاحب ہجرت فرما کر کراچی تشریف لے آئے تو حضرت مدنی نور اللہ مرقدہٗ اور دیگر اکابر کے حکم اور فرمائش پر کر یہ گلستانِ نانوتوی کی آبیاری کے لئے تشریف لے آئیں حضرت کراچی سے واپس تشریف لے گئے تو ایک جلسہ منعقد ہوا جس میں سارے بزرگ تھے۔ حضرت شیخ الاسلام سید حسین احمد مدنی قدس سرہٗ نے تقریر میں یہ شعر پڑھ کر ؎

اے تماشا گاہِ عالم روئے تو
تو کجا بہر تماشا می روی

سارے مجمع کو تڑپا کر رکھ دیا۔

رنگون میں جب آپ دورہ پر تشریف لے گئے تو منظوم نذرِ عقیدت اس طرح پیش کی گئی ؎

حضرت طیبؒ ہیں بے شک علم و دین کے آفتاب
کفران کے رُو برُو آنے سے کرتا ہے حجاب
علم کی اس شمع سے اُبھرے شرارے صد ہزار
علم کے اس بحر سے لاکھوں ہوئے فیضیاب

ایک اور ادارے میں ہدیہ عقیدت پیش کیا گیا۔

؎ اے رہبر کاروان حق اے حاملِ قرآن
تو ہے جہاں علم و ہدایت کا اِک نشان

حضرت مولانا خیر محمد صاحبؒ نے ۱۹۶۲ء میں خیر المدارس کے سالانہ جلسہ کے موقع پر اس طرح فرمایا ؎

سحر چوں قاصد مہر چہرہ آفتاب جبین
نوید مقدم تو داد اے بلند اقبال
ستارہ گفت بگوشم کہ اے مجسم خیر
بشانِ بدر بتاب و ببالِ مثل ہلال
رسیدہ است بہ ملتان آں مہ دانش
رسیدہ است بہ شہر تو آفتاب کمال

حضرت قاری شوقی صاحبؒ نے دار العلوم اسلامیہ لاہور کے جلسہ کے موقع پر یہ خراجِ عقیدت پیش کیا ؎

اے حکیم اسلام اے شیخ جلیل
ذوقِ علم و فن کی رونق ہے تیرا فکرِ جمیل
اے خطیب ملک اے ملت کے سحبان
حسن رازی و غزالی زینتِ ابن کثیر
اے مجاہد اے زعیم قوم اے دانائے عظیم
زیب دیتا ہے اگر تجھ کو کہیں فخرِ کلیم

مدح طیّب رحمۃ اللہ علیہ

جناب قاری عبد العزیز شوقی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ مدح لکھی جو جامعہ رشیدیہ کے دار العلوم دیوبند نمبر میں ص ۱۶۵ پر شائع ہوئی۔

طیّب الصوت ہیں اور طیب الاخلاق
آپ اپنے نام کے ہر طور سے مصداق ہیں

آپ کی تحریر ہے رشکِ فسونِ سامری
آپ کی تقریر میں اعجاز نطق دِلبری
آپ کا حسنِ عمل انموذج اسلاف ہے
آپ کی ہستی یقیناً جامع الاوصاف ہے
ایشیاء میں منفرد علم و عمل کی درس گاہ
کہہ رہی ہے آپ ہیں اس دَور میں مِلت پناہ
آپ نے اس دَور میں سمجھا ہے مِلت کامزاج
آپ پر نازاں رُوح قاسمؒ و محمودؒ آج
آپ ہیں بے شک وحید العصر اے والاجناب
عالموں میں آپ کا ممکن نہیں کوئی جواب
آپ کا تقویٰ فرشتوں سے فزوں پاتے ہیں ہم
آپ کے صدق و دیانت کی قسم کھاتے ہیں ہم

ایک یادگار ملاقات

بندہ ظفر احمد اور رفیق محترم حضرت مولانا محمد اسلام رائے ونڈ دواخانہ اشرفیہ والے ۱۹۸۱ء میں مارچ کے مہینے میں عازم دیوبند بغرض زیارت اکابر ہوئے وہاں کے قیام کے دوران ایک دِن حضرت قاری صاحبؒ کے ہاں ناشتہ تھا کیونکہ ہمارا قیام حضرت مولانا محمد اسعد صاحب مدنی کے ہاں مدنی منزل میں تھا۔ ہم دونوں حضرت قاری صاحبؒ کے یہاں حاضر ہوئے۔ اتفاق سے اس وقت اور کوئی مہمان بھی نہ تھے۔ دسترخوان پر کافی مٹھائیاں طرح طرح کے بسکٹ تھے۔ حضرت قاری صاحب کھلاتے رہے پھر ایک طشتری میں خوبصورت طریقہ پر رکھے ہوئے پان آگئے میں نے عرض کیا حضرت ہم پنجابی ہیں پان نہیں کھاتے۔ حضرت مسکرائے اور باتیں شروع ہوگئیں۔

بندہ نے عرض کیا حضرت یہ دارالعلوم کا قضیہ کیا ہے کیونکہ بڑے بڑے الزام شائع ہو رہے ہیں۔ فرمایا مولوی صاحب ہم بھی اخباروں میں پڑھتے ہیں ورنہ آپ دیکھیں یہاں پر تو امن و امان ہے دارالعلوم کھلا ہے تعلیم جاری ہے۔ پھر آپ نے حضرت شاہ عبدالرحیم رائپوری کا واقعہ سُنایا کہ جب اباجی کے دَور اہتمام میں ایسی پوزیشن ہوئی تو حضرت نے خصوصی طور پر بلا کر فرمایا حضرت جواب نہ دینا یہ آپ کی ایک آزمائش ہے۔ قاری صاحب فرمانے لگے عمل تو ہیں نہیں شاید میرے بڑھاپے میں بھی یہ حالات میری آزمائش ہی کے لئے بن رہے ہیں۔

بندہ نے عرض کیا حضرت امریکہ کا دو ماہ کا دَورہ تھا کیسے رہے آپ؟ ہنس کر فرمایا مولوی صاحب میں سفر میں اچھا رہتا ہوں پھر اپنے دَورہ کے مفصل حالات سُناتے رہے۔ بندہ نے عرض کیا حضرت عمر میں آپ بڑے ہیں یا شیخ الحدیث صاحبؒ فرمایا میں دو ڈھائی ماہ بڑا ہوں۔

ڈیڑھ گھنٹہ مجلس رہی آخر میں بندہ نے مودودی صاحب کے بارے میں سوال کیا کہ حضرت آپ کیا فرماتے ہیں۔ تو حضرت نے فرمایا ایک مرتبہ میرے ساتھ حضرت مولانا فخرالحسن صاحب شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند تھے پاکستان کے دَورہ کے موقع پر شیرانوالہ دروازہ لاہور میں مودودی صاحب کی طرف دعوت نامہ موصول ہوا کہ ایک تقریب میں شرکت فرمائیں مولانا فخرالحسن صاحب نے تو شدت سے انکار کر دیا میں نے کہا حضرت ضرور چلیں کہنی تو ہم نے اپنی ہے خیر چلے گئے مولانا فخرالحسن نے ایک گھنٹہ دارالعلوم کے بارے میں تقریر کی پھر مجھے کہا گیا تو میں نے عرض کیا مودودی صاحب اچھے آدمی ہیں کام اچھا کر رہے ہیں۔ مگر کچھ ایسی مینگنیاں گھول دی ہیں کہ اچھا بھلا دُودھ ناپاک ہو گیا ہے۔ پھر ایک دو کر کے پانچ چھ عدد تک عرض کیا یہ مینگنیاں ہیں۔ تفسیر میں رائے زنی کرنا، حضرات صحابہؓ کو معیار حق نہ جاننا اور تنقید سے بری نہ سمجھنا۔ تصوف اور بزرگانِ دین سے بدظن کرنا یہ مینگنیاں ہیں جن سے کام خراب ہو گیا۔ پورا مجمع خاموشی سے سُنتا رہا۔

واپسی پر میں نے کہا حضرت اگر نہ جاتے یہ باتیں ان کے خاص مجمع میں کیسے پہنچتیں؟

آخر میں حضرت دعا فرما کر گھر تشریف لے گئے اور ہم اپنے مستقر پر چلے گئے۔

یہ آخری ملاقات تھی اللہ رب العزت انہیں اپنی بے پایاں رحمتوں سے نوازے۔



نتیجہ دورۂ تفسیر و تقریب تقسیم اسناد

★ ——— رپورٹ: ظہیر میر

حسب سابق امسال بھی مدرسہ قاسم العلوم شیرانوالہ گیٹ لاہور میں دورۂ تفسیر کی کلاس پوری شان و شوکت سے منعقد ہوئی۔ ملک اور بیرون ملک سے بیالیس طلبہ نے اس کلاس میں شرکت کی ——— استاذ العلماء حضرت مولانا حمیدالرحمٰن عباسی صاحب نے طلبہ کو قرآن عزیز کی تفسیر پڑھائی — حضرت اقدس دامت برکاتہم العالیہ نے شعبان اور رمضان المبارک میں بعد نماز عشاء مختلف موضوعات پر فکر ولی اللّٰہی طرز پر لیکچرز دیئے۔ ان کے علاوہ حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود، حضرت مولانا منظور احمد چنیوٹی، مولانا عبدالرحیم منہاج اور حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب اشعر نے بھی مختلف اوقات میں مختلف موضوعات پر سیر حاصل لیکچرز دیتے۔ حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحب کے لیکچرز میں طلبہ کے علاوہ بہت سے دوسرے حضرات نے شرکت کی۔ جن میں وکلاء، پروفیسرز، ڈاکٹرز اور زندگی کے مختلف شعبوں سے تعلق رکھنے والے لوگ شامل تھے۔

۲۵ رمضان المبارک کو صبح ساڑھے سات بجے حضرت اقدس دامت برکاتہم العالیہ جامع مسجد شیرانوالہ گیٹ لاہور تشریف لاتے اور طلباء کرام کو درج ذیل امتحانی پرچہ لکھوایا جس کا متن درج ذیل ہے۔

یاد رہے کہ حضرت اقدس طلبہ کے لئے امتحانی پرچہ خود ہی مرتب فرماتے ہیں اور خود ہی سب پرچوں کو چیک بھی فرماتے ہیں۔ امتحانی پرچہ حسب ذیل ہے:-

بروز بدھ، ۲۴ رمضان المبارک ۱۴۰۳ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پرچہ امتحان تفسیر قرآن مدرسہ قاسم العلوم شیرانوالہ گیٹ لاہور

سوال ۱: سورۂ بقرہ کے آخری پانچ رکوعوں (یعنی تیسرے پارے کے آخر سورہ تک کے خلاصے مآخذ اور ایک مختصر تشریحی نوٹ میں سورت کے فضائل و برکات تحریر فرمائیں)

سوال ۲: سورۃ آل عمران کے پہلے ۵ رکوعوں کے خلاصے، مآخذ اور سورۃ پر مختصر سا وضاحتی نوٹ لکھیں۔

سوال نمبر ۳۔ سورۃ مریم کے ابتدائی پانچ رکوعوں کے خلاصے، مآخذ تحریر فرمائیں۔

سوال نمبر ۴۔ سورۃ مزمل و مدثر کے خلاصے و مآخذ بیان کریں۔

سوال نمبر ۵۔ پارہ ۳۰ کی ابتدائی تین سورتوں النبا، النازعات، عبس اور آخری تین سورتوں اخلاص، الفلق اور الناس کے خلاصے مآخذ ترجمہ اور ان پر نہایت مختصر من پسند نوٹ لکھیں (ترجمہ اور نوٹ صرف آخری تین سورتوں پر لکھنا ہے)

ہدایات: (۱) پرچہ حل کرنے کا وقت ۴ گھنٹے ہے۔ ان پانچ میں سے صرف تین سوال جو سے چاہیں حل فرمائیں۔

۲- پرچہ تحریر کرنے سے پیشتر ہر قسم کے کاغذات (سادا، لکھے چھپے ہوئے) منتظم حضرات کے سپرد فرما دیں واپسی پر لیتے جاویں۔ دوران امتحان کاغذ برآمد ہونے پر امتحان سوخت ہو جائیگا۔

۳- آخر میں اپنا، والد کا

اور شہر یا مقام کا نام لکھنا نہ بھولئے۔

۲۷ر رمضان المبارک کو جامع مسجد شیرانوالہ میں ایک سادہ اور پُروقار تقریب کا اہتمام کیا گیا اس تقریب کے مہمانان خصوصی حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود اور حضرت مولانا سیّد عبدالقادر آزاد تھے۔ تقریب کا آغاز تلاوت کلام پاک سے ہُوا۔ اور حضرت مولانا حمید الرحمٰن صاحب عباسی نے نہایت پُرسوز انداز میں خطاب فرماتے ہوئے طلبہ کرام کو نصیحت کی کہ وہ قرآن کو حرزِ جاں بنائیں۔ اپنی زندگیاں مکمل طور پر قرآن کے سانچے میں ڈھالیں۔ انہوں نے امید ظاہر کی کہ یہاں سے فارغ ہونے والے طلبہ کرام ملک و ملّت اور دین کے لئے فائدہ مند ثابت ہوں گے حضرت ڈاکٹر علامہ خالد محمود اور حضرت مولانا سید عبدالقادر آزاد صاحبان نے بھی نہایت مدلّل اور پُراثر خطاب فرمایا۔

حضرت اقدس دامت برکاتہم العالیہ نے اپنے دست مبارک سے طلبا کرام میں انعامات اور اسناد تقسیم فرمائیں۔ اعلان کے مطابق دورۂ تفسیر کی کلاس کا نتیجہ درج ذیل رہا۔ یاد رہے کہ امتحان کے کل نمبر ۱۰۰ تھے۔

نمبر شمار	نام	ولدیت	حاصل کردہ نمبر	نمبر شمار	نام	ولدیت	حاصل کردہ نمبر
۱	حافظ عبدالولی اعوان	حافظ شبیر علی اعوان	۷۵ پنجم	۲۰	ابوالبشر بنگلہ دیشی	محمد منظور احمد	۵۰
۲	محمد عتیق الراشدی	حاجی محمد اسلم	۴۵	۲۱	محمد اسلم صدیقی	علی حسن	۵۵
۳	غلام اکبر ثاقب	مولوی اللہ دتہ	۵۵	۲۲	محمد صفدر	علی خاں	۴۴
۴	حافظ عبدالرؤف	قاضی عبدالغفور	۵۰	۲۳	کفایت اللہ	عطاء اللہ	۶۰
۵	حافظ محمد ایوب قاسمی	محمد علی	۴۸	۲۴	عبادالرحمٰن	عزیز الرحمٰن	۴۵
۶	عبدالصمد	چاند دوست خاں	۴۵	۲۵	عبدالوحید اشرفی	عبدالحمید	۸۰ سوئم
۷	محمد قاسم	حکیم محمد یار	..	۲۶	اشفاق احمد میواتی	افسر خاں	۴۵
۸	حافظ جمیل احمد	محمد اسمٰعیل	۷۰	۲۷	حاجی محمد سجاد ساجد	حاجی محمد نواز	۶۰
۹	حافظ محمد سلیم	محمد حنیف	۵۵	۲۸	ندیم احمد قاسمی	ابوبکر دیو.پی	۱۰۰ اوّل
۱۰	عبدالکریم ندیم	فیض بخش	۴۵	۲۹	حافظ محمد ارشد فیاض	حافظ فیاض حسین	۷۷ چہارم
۱۱	محمد اسمٰعیل اسلم دنجارہ	حاجی محمد اسلم	۵۰	۳۰	غلام رسول لاہوری	فتح دین	۵۵
۱۲	محمد طاہر	مولانا محمد مقبول	۴۵	۳۱	عبدالمالک	حاجی قادر بخش	۴۵
۱۳	قاری عزیز الرحمٰن	مولوی خضر حسین مرحوم	۴۰	۳۲	عبدالقدوس	غلام رسول	۶۰
۱۴	محمد اشرف خالد	مولانا اللہ دتہ	۹۰ دوم	۳۳	سکندر حیات	ملک امیر محمد خان	۴۰
۱۵	محمد تصور اقبال	چودھری رحمت علی	۶۰	۳۴	جلیب الرحمان	امیر الدین	۵۰
۱۶	شبیر احمد عثمانی	میاں جان محمد	۴۰	۳۵	قاری محمد صدیق میواتی	حاجی نبی خان	۴۴
۱۷	محمد زاہد انور	مولانا بشیر احمد	۶۶	۳۶	غلام سرور شعیب	غلام حسین	۵۰
۱۸	عبدالرشید	عبدالرحمٰن	۴۵	۳۷	محمد یار	حافظ محمد نواب	۷۲
۱۹	مشتاق احمد مجاہد	حافظ محمد اسمٰعیل	۵۰	۳۸	احمد دین	عبدالسلام	۴۵

نمبر شمار	نام	ولدیت	حاصل کردہ نمبر	نمبر شمار	نام	ولدیت	نمبر حاصل کردہ
۳۹	محمد اشرف	مولانا شمس الدین	۴۰	۴۱	سیّد احمد شاہ	سید محمد عبداللہ شاہ	۴۵
۴۰	مختار احمد	محمد صابر	۴۰		.. ..	.. ..	

پہلی پانچ پوزیشنوں پر آنے والے طلباء کرام کو انجمن خدام الدین کی طرف سے نقد انعامات اور قیمتی تحائف کے علاوہ کتب بھی بطور انعام دی گئیں۔ تعلیم القرآن سوسائٹی لاہور کی طرف سے اوّل، دوم اور سوم آنے والے طلباء کو بالترتیب تین صد روپے، دو صد روپے اور یک صد روپے بطور انعام دیئے گئے۔

اس تقریب سعید کے آخر میں حضرت اقدس دامت برکاتہم العالیہ نے خطاب فرماتے ہوئے طلبا کرام کو نصیحت کی کہ وہ قرآن کو ساری دنیا تک پھیلانے کے لئے کمر ہمت باندھ لیں۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے امید ہے کہ اگر آپ حضرات نے اپنی زندگیاں قرآن کے سانچے میں ڈھال لیں تو دنیا کی کوئی طاقت آپ کو کسی میدان میں نیچا نہیں دکھا سکتی۔ آپ نے طلباء سے کہا کہ حضرت لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی روز روشن کی طرح آپ کے سامنے ہے۔ انہوں نے قرآن کو اپنی زندگی کا اوڑھنا بچھونا بنایا تو اللہ نے انہیں دین اور دنیا دونوں میں وہ مقام عطا کیا جو بہت کم لوگوں کے نصیب میں آتا ہے۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ مجھے اب بھی یقین ہے کہ اگر آپ حضرات نے قرآن کو حرزِ جاں بنایا تو آپ کی دنیا اور آخرت دونوں سنور جائیں گی۔ حضرت اقدس کی دعائے خیر سے اس تقریب کا اختتام ہوُا۔

تعارف وتبصرہ

موجودہ نظام انشورنس اور اسلام کا نظام تکافل اجتماعی

از، پروفیسر ڈاکٹر نور محمد غفاری
ادارہ تحقیقات اسلامی جامعہ اسلامیہ، اسلام آباد

قیمت -/۱۲ روپے

ملنے کا پتہ: اسلامی کتب خانہ نزد جامع مسجد علامہ بنوری ٹاؤن، کراچی ۵

انشورنس اور بیمہ نجی دائرہ میں ہو یا سرکاری دائرہ میں، اس کے ناجائز و نادرست ہوتے میں قطعاً کوئی شبہ نہیں۔ اس قسم کی کمپنیوں کے ایجنٹ صاحبان اور دوسرے گگے بندھے لوگوں کو پھانسنے کے لئے جتنے بھی دلائل دیں وہ اپنی جگہ تارعنکبوت سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔ ہمارے علماء اور اسکالروں نے اس عنوان پر بہت کچھ لکھا ہے لیکن یہ بات بہرطور درست ہے کہ اس نظام کے بالمقابل کونسا نظام ہو، کیا ترامیم ہیں جن کے ذریعہ اس نظام کو بہتر اور درست بنا لیا جائے ـــ اس قسم کے سوالات پر یا تو کبھی غور نہیں کیا گیا یا اس کی اصلاح کی کوشش دانستہ نہیں کی گئی ـــ محض یہ بات کہ اسلام مکمل نظام حیات ہے اور اقتصادی طور پر بھی خود کفیل ہے، چند لوگوں کو تو مطمئن کر سکتا ہے عام لوگوں کے لئے اب اس نعرہ میں کوئی کشش نہیں۔

عام لوگوں کا مسئلہ یہ ہے کہ انہیں عملی طور پر ان کے مسائل کے حل سے آگاہ کیا جائے اور ظاہر ہے کہ یہ کام اجتماعیت کا متقاضی ہے جو بدقسمتی سے ہمارے یہاں مفقود ہے۔ جو لوگ ایسا کر سکنے کی پوزیشن میں تھے وہ سب سے زیادہ المناکیوں کا شکار اور مغربی جمہوریت کی زلف کے گرہ گیر ہیں، ایسے ماحول میں ڈاکٹر غفاری صاحب کا تن تنہا یہ کام کرنا بڑی اہم بات ہے، انہوں نے موجودہ نظام انشورنس کا پورا تعارف کرایا ہے کہ اس کی بھی ضرورت تھی، پھر اس کی خامیاں ہی نہیں گنوائیں بلکہ ایسی ترامیم لکھی ہیں جن سے یہ نظام درست رُخ اختیار کر سکتا ہے جو ان کی بڑی محنت اور صلاحیت کا پتہ دیتا ہے کہ وہ مخلصانہ طریق سے اس نظام کی تبدیلی کے خواہاں ہیں، ساتھ ہی انہوں نے اسلام کے نظام تکافل اجتماعی پر بھرپور بحث کی ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اسلام کی قلمرو میں کوئی مسلمان چھوڑ، کافر بھی بھوکا نہیں رہ سکتا۔ آپ اس کتاب کو ابتدائی کوشش قرار دیں لیکن واقعہ یہ ہے کہ یہ بڑی ٹھوس جاندار اور قابل قدر کتاب ہے اہلِ دین واہلِ علم کو ان کا ممنون ہو کر کثرت سے اس کو پھیلانا چاہئے کہ یہ وقت کی ضرورت ہے۔

امام ابوحنیفہ اکیڈمی کی مطبوعات

ضلع بہاولنگر کے مشہور قصبہ فقیر والی میں امام ابوحنیفہ اکادمی قائم ہے جس کا مقصد حضرت امام ابوحنیفہ قدس سرہٗ کے مسلک حنفہ کی ترویج واشاعت کے ساتھ ساتھ برادران غیر مقلدین کی پھیلائی ہوئی غلط فہمیوں کا ازالہ بھی ہے ابتدا سے لے کر اب تک دنیائے اسلام میں ائمہ اربعہ کی تقلید کا سلسلہ قائم ہے جس کی اپنی حدود ہیں لیکن کچھ عرصہ سے برادرانِ غیر مقلدین نے جو صورتِ حال پیدا کر رکھی ہے وہ کسی طرح مناسب نہیں، پھر ستم یہ ہے کہ چند مخصوص مسائل کی آڑ میں ہر وقت بحث و مجادلہ کا بازار گرم رہتا ہے نتیجہ یہ ہے کہ نسل نو اسلام سے ہی برگشتہ ہو رہی ہے ہماری خواہش وتمنا ہے کہ حضرت تھانویؒ کے الفاظ میں "اپنا مسلک چھوڑو نہیں دوسروں کو چھیڑو نہیں" کا رویہ ہر شخص اختیار کرے تاکہ ملک میں فرقہ واریت کی فضا ختم ہو کر باہمی یگانگت کی فضا قائم ہو سکے۔ اس اکادمی کے کرتا دھرتا دوست اپنی کاوش وسعی کو جوابی اور مجبوری کا نام دیتے ہیں اور انہوں نے اب تک اس ضمن میں متعدد تحریرات شائع کی ہیں جن میں سے اس وقت "ترک تقلید کے بھیانک نتائج (قیمت -/۶ روپے) اہل حدیث اور انگریز (-/۶ روپے) تحقیق مسئلہ فاتحہ (-/۵ روپے) مسئلہ تراویح (-/۲ روپے) مسئلہ آمین (-/۴/۵۰ روپے) مسئلہ رفع یدین (-/۲ روپے) بارہ مسائل (۲/۵۰) غیر مقلدین اپنے اکابر کی نظر میں (۲/۵۰ روپے) فاتحہ خلف الامام اور حضرات حنابلہ (-/۲ روپے) جنازہ اور سورۂ فاتحہ (-/۲ روپے) ننگے سر نماز (-/۱ روپیہ) ہمارے سامنے ہیں ان کے لکھنے والے مولانا ابومعاویہ صفدر جالندھری، مولانا بشیر احمد قادری اور مولانا محمد قاسم قاسمی اپنے موضوعات پر گہری نظر رکھنے والے ہیں محنت سے انہوں نے مواد فراہم کر کے حسن ترتیب کا ثبوت دیا ہے، زبان میں علمی رنگ غالب اور کہیں کہیں مناظرہ کی جھلک ہے برادران احناف کے لئے اچھے رسائل ہیں اور لائق مطالعہ۔

پاک وہند میں مسلمانوں کا نظام تعلیم وتربیت (مکمل)

تصنیف: حضرت مولانا مناظر احسن گیلانیؒ

قیمت -/۷۵ روپے

ملنے کا پتہ: مکتبہ رحمانیہ، اردو بازار لاہور

عروس البلاد دہلی کی عظیم شاہ جہانی مسجد سے متصل اردو بازار کی ایک گلی میں ندوۃ المصنفین کے نام سے ایک ادارہ کئی سالوں سے مصروف عمل ہے مولانا مفتی عتیق الرحمٰن (جو آجکل شدید بیمار ہیں) اس ادارہ کے کرتا دھرتا ہیں ادارہ کا مقصد مسلمانوں کو ان کے ماضی سے واقف کرنا اور مستقبل میں پیش آنے والے مسائل پر علمی رہنمائی ہے۔ ادارہ کی متعدد تصانیف اس محور کے گرد گھومتی اور ایک دنیا سے خراج تحسین حاصل کر چکی ہیں۔ ادارہ کے رفقاء میں مولانا حفظ الرحمٰن، مولانا سید بدرعالم، مولانا مناظر احسن، مولانا سعید احمد اکبر آبادی، مولانا سید ابوالدائم الجلالی، اور پروفیسر خورشید احمد فارق جیسے لوگوں کے نام شامل ہیں۔ اس ادارہ کی متعدد مطبوعات ایسی ہیں جو تقسیم ملک کے بعد یہاں شائع ہو چکی ہیں کیونکہ وہاں سے اب کتابیں منگوانا ایک مشکل مسئلہ ہے اور اہل علم وہاں کی ٹھوس مطبوعات سے بے نیاز ویسے نہیں ہو سکتے جبکہ خود اپنے یہاں اس قسم کی جاندار مطبوعات کا کوئی انتظام نہ ہو ـــ تاہم ادارہ کی ایک کتاب یہ تھی جس کی بے حد ضرورت تھی لیکن آج تک ادھر کسی کی توجہ نہ ہوئی اب خدا بھلا کرے مکتبہ رحمانیہ کا جس نے وہاں کے مطبوعہ نسخہ کا عکس لے کر سفید کاغذ پر انتہائی خوبصورتی سے اس کتاب کو چھپوایا اور پھر ڈائی دار جلد میں ملبوس کر کے باذوق قارئین کے سامنے پیش کیا۔

ندوۃ المصنفین دہلی کا نام کسی کتاب کے لئے بہت بڑی ضمانت ہے اور پھر سلطان القلم مولانا سید مناظر احسن گیلانی رحمہ اللہ تعالیٰ کا اپنا نام افق عالم پر چمک رہا ہے، مولانا کے قلم سے متعدد قیمتی کتابیں نکلیں، کہنے والے کہتے ہیں کہ ان کی تصانیف میں طوالت ہوتی ہے، ربط کی بھی شاید کمی ہوتی ہے اور پھیلاؤ بہت ہوتا ہے لیکن مرحوم جس دلسوزی سے لکھتے ہیں اس نے ان کی تحریر کو چار چاند لگا دئے ہیں اور جو باتیں دوسروں کے لئے عیب ہیں وہ مولانا کی تصانیف کے لئے خوبی وکمال بن جاتی ہیں ـــ یہی کتاب دیکھیں دو حصے ہیں سوا سات سو کے قریب صفحات ہیں اور سلطان قطب الدین ایبک سے لے کر مرحوم کی زندگی تک اس وسیع وعریض خطہ میں مسلمانوں کے نظام تعلیم وتربیت کی بھرپور عکاسی ہے مولانا کا قلم روانی سے چلا ہے اور چلتا گیا ہے جس قوم کا نبی معلّم کتاب وحکمت تھا اس قوم نے اس برعظیم میں اقلیت ہونے کے باوجود علم کی خدمت کی اس کا مسلسل اور رواں "تذکرہ اس کتاب کی زینت ہے، اتنی دلچسپ کہ کوئی چھوڑنا چاہے بھی تو نہ چھوڑ سکے اور پڑھتا ہی جائے۔ فہرست مضامین دیکھیں تو بڑی مختصر ہے یعنی تعارف، دیباچہ اور تمہید کے بعد فاضل مصنف نے ہندوستان کے قدیم تعلیمی نظام کا خاکہ پیش کیا ہے۔ پھر فراہمی کتب، تعلیمی مضامین، معقولات کا الزام، درجہ فضیلت کی کتب، معاشی انقلاب کا نتیجہ،

درس حدیث کی اصلاح، ابتدائی تعلیم کا اجمالی نقشہ جیسے موٹے موٹے عنوانات سے ہر وہ بات درج کتاب کر دی ہے جس کی ضرورت تھی اور ہے، آباء کی میراث سے محروم قوم کے لئے یہ ایک آئینہ ہے جس میں دور ماضی کا بھرپور اور باوقار چہرہ نظر آتا ہے اور اندازہ ہوتا ہے کہ ہمارے بڑوں نے یہاں کیا کیا موتی لٹائے — اس کتاب کی بے حد ضرورت تھی۔ مکتبہ رحمانیہ نے احسان کیا کہ اسے چھاپ دیا ارباب ذوق فوراً توجہ کریں ورنہ دوسرے ایڈیشن کا انتظار کرنا پڑے گا۔

دستور حیات

تصنیف: مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

قیمت: ۲۵/۰۰ روپے

ملنے کا پتہ: مجلس نشریات اسلام ا۔ کے ۳ ناظم آباد مینشن، ناظم آباد ۱، کراچی ۱۸

مولانا علی میاں کے نام سے کون واقف نہیں؟ اردو، عربی، انگریزی، ترکی، فارسی الغرض ہر علمی زبان میں مولانا کی متعدد تصانیف و تراجم ہیں۔ ہر کتاب کے متعدد ایڈیشن نکلے نکل رہے ہیں اور لوگ برابر استفادہ کر رہے ہیں زندگی میں کسی شخص کو اتنی معراج نصیب ہو بڑی بات ہے۔ آپ کی عربی کتابیں بکثرت ہیں بنیادی طور پر لکھنے کا ذوق اسی زبان میں ہے اس سے پھر تراجم ہوتے ہیں۔ دستور حیات العقیدۃ والعبادۃ والسلوک نامی عربی

(باقی ۸ پر)

منظور شدہ محکمہ تعلیم ۱- لاہور ریجن بذریعہ چٹھی نمبری ۷/۱۶۳۲۱ مورخہ ۳ مئی ۱۹۵۶ء (۲) پشاور ریجن بذریعہ چٹھی نمبر B.C. ۲۳۶۰-۲۴۸۱ مورخہ ۷ ستمبر ۱۹۵۶ء
۳- کوئٹہ ریجن بذریعہ چٹھی نمبری ۳۹/۹/۲۰۶۷-D.O.-۵ مورخہ ۲۴ اگست ۱۹۶۴ء (۴) راولپنڈی ریجن بذریعہ میمو نمبر ۲۱۱ G/۴۰-۱۰-۳۱۵۴۱ مارچ ۱۹۶۷ء